مصنف

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی مد ظلہ العالی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کے جمع و ترتیب کی تاریخ

اور

دوسرے اہم مباحث پر علمی و تحقیقی مقالہ

از
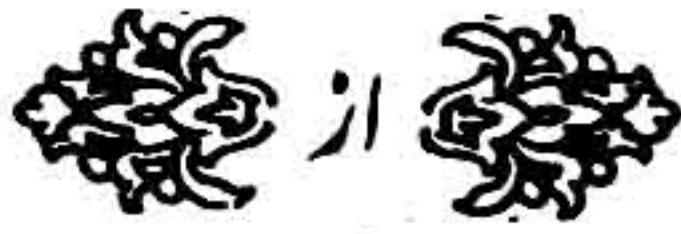
مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت

لاہور، پاکستان

786

نام کتاب	قرآن کیسے جمع ہوا؟
موضوع	تدوین قرآن
تالیف	مولانا محمد احمد مصباحی
کتابت	زرق االماسی قادری رام پوری
	نفیس احمد فتح پوری
تصیح	نوشاد احمد دیوریاوی
اشاعت اول	1981ء انڈیا
اشاعت دوئم	2008ء پاکستان
صفحات	200
عام ھدیہ	140/= روپے
ناشر	مکتبہ اعلیٰ حضرت

ملنے کا پتہ:

مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور

میلاد پبلیکیشنز دربار مارکیٹ لاہور

احمد بک کارپوریشن اقبال سنٹر راولپنڈی

مکتبہ غوثیہ پرانی سبزی منڈی کراچی 786

فہرست تدوینِ قرآن

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداً و مصلیاً

قرآن دین اسلام کا سرچشمہ، رشد وہدایت کا منبع، دعوت وارشاد کا مصدر، علم وعرفان کا خزانہ، اور اپنے بے شمار کمالات ومحاسن کے ساتھ پوری دنیائے باطل کے لیے چیلنج ہے۔ اسی لیے جہاں اہلِ اسلام نے قرآن اور علوم قرآن کی خدمت میں بے مثال کارنامے انجام دیے وہیں اعدائے اسلام اور مخالفین قرآن نے بھی اس لافانی کتاب اور ازلی نورہدایت سے کسب فیض ورشد کے بجائے اس کی تنقیص، اس پر بے جا اعتراضات اور اس کے اندر بے محل شکوک آفرینی میں اپنی آخری صلاحیتیں صرف کردیں ــــ مگر زمانۂ نزول سے لے کر آج تک اس طرح کی ہر کوشش ناکام ہی رہی اور مخالفین اسلام کے مفسدانہ خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے نہ ہی آئندہ کبھی ہوسکتے ہیں۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ○

لیکن آپ ذرا ان کی جسارت تو دیکھیں کسی نے یہ الزام لگایا کہ قرآن وانجیل دونوں کا معاملہ اس لحاظ سے یکساں ہے کہ دونوں کو بعد کے لوگوں نے جمع کیا۔ قرآن بھی عہدِ رسالت میں یکجا نہ ہوا بلکہ عہدِ صدیقی میں اس کی تدوین ہوئی۔ کسی نے کہا قرآن عہدِ رسالت سے تواتر منقول نہیں کیونکہ زمانۂ رسالت میں کل چار حفاظ تھے جن سے تواتر نہیں ہوسکتا۔ کسی نے کہا عہدِ صدیقی میں ایک آیت قید تحریر میں نہ آئی اور عہدِ عثمانی میں لکھی گئی اس لئے ممکن ہے کہ عہدِ عثمانی کی تدوین میں بھی کوئی آیت چھوٹ گئی ہو۔ کسی نے کہا قرآن سات لغات میں نازل ہوا تھا اب صرف ایک لغتِ قریش میں ہے لہٰذا اس کا اکثر حصہ معاذ اللہ ضائع ہوگیا یا ضائع کردیا گیا۔ کسی نے کہا معوذتین کی قرآنیت اجماعی وقطعی نہیں۔ کسی نے کہا قرآن سے بعض سورتیں حذف کردی گئی ہیں یا بعض مختصر کردی گئی ہیں اس لیے اس کا تام وکامل ہونا یقینی نہیں جیسا کہ خود مسلمانوں کا ایک گروہ شیعہ اسے کامل وقطعی نہیں مانتا۔ کسی نے کہا مصاحف اُبی وعلی وابن مسعود کی ترتیبیں موجودہ مصحف سے مختلف تھیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ ترتیب اجماعی ویقینی نہیں

کسی نے کہا قرآن میں اب بھی بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ اس کی سات قراءتیں ہیں جن کے درمیان بہت سے الفاظ و حروف کا واضح فرق موجود ہے۔

مخالفین کو یہ اعتراضات آسانی سے نہیں مل گئے بلکہ یہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے انہوں نے پہلے پورے قرآن کا مطالعہ کیا وہاں انہیں ناکامی ہوئی تو حدیث و تاریخ کی کتابیں دیکھیں مشرقی علوم کھنگالے جب کہیں اُن کو اِدھر اُدھر سے کچھ شوشے گوشے ملے جن کو انہوں نے زبردست اعتراضات بنا کر پیش کیا اور زبان و قلم کی بھرپور طاقت کے ساتھ پھیلایا۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اہلِ باطل اپنے قرآن دشمن عزائم کی تکمیل سے کتنی لگن رکھتے ہیں۔ اور اس مقدس کتاب کا لافانی اعتماد مجروح کرنے کی خاطر کتنی کوششیں صرف کر رہے ہیں۔

جب کوئی گمراہی زبان و قلم، دولت و حکومت اور پریس کی وسیع قوت کے ساتھ پھیلائی جائے تو اس کا سدِّ باب بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اہلِ باطل کے دیگر الزامات کی طرح قرآن پر بھی جب ان کا کوئی الزام عائد ہوا تو علماء اسلام نے اس کا دندان شکن جواب دیا یہاں تک کہ احمد بن مصطفیٰ طاشکبری زادہ (م ۹۶۴ھ) نے مفتاح السعادہ میں علم دفعِ المطاعن عن القرآن کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے شمار کرایا ہے۔ جب تدوینِ قرآن کے موضوع پر مجھے کام کرنا پڑا تو مذکورہ اعتراضات کے پیشِ نظر (جن میں کچھ پرانے اور کچھ نئے ہیں) حفاظتِ قرآن اور علومِ قرآن سے متعلق علمائے اسلام کی تحریر کردہ قدیم و جدید کتابوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر بدقسمتی سے اُن میں سے بیشتر کتابیں میری دسترس سے باہر رہیں نہ تو میرے پاس کوئی عظیم کتب خانہ ہے جس میں ہر قسم کی قدیم و جدید کتابوں کا معتدبہ ذخیرہ موجود ہو، نہ اتنا سرمایہ کہ ملک و بیرونِ ملک کی لائبریریوں میں جا کر خاطر خواہ استفادہ کر سکوں۔

اس لیے میں نے زیرِ نظر کتاب کی ترتیب میں زیادہ تر قرآن، تفسیر، حدیث، شرحِ حدیث اور دوسری کتابوں کو ماخذ بنایا جو اصل مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں خصوصاً علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب الاتقان فی علوم القرآن سے بہت زیادہ مدد لی کیونکہ یہ بہت سی قدیم تصنیفات کا نچوڑ، ہزارہا ہزار صفحات پر بکھری ہوئی نادر تحقیقات کا خلاصہ، اور بعد کے اکابر علما کا قابلِ اعتماد مرجع ہے۔ میں نے تقریباً ہر مقام پر اپنے ماخذ کا حوالہ دے دیا ہے اور قطعاً اس کی کوشش نہیں کی ہے کہ دوسرے کی تحقیق اپنی بنا کر پیش کروں۔ البتہ میں نے جہاں

کوئی اپنی رائے یا تحقیق پیش کی ہے اُسے صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے تاکہ بالفرض اگر کوئی غلطی ہو تو ناقدین کا ہدف ملامت خود بنوں نہ کہ اسلام کے مقدس علما۔

اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ تدوین قرآن کے موضوع پر میں نے موجودہ دور کی چار پانچ اردو کتابیں بھی دیکھیں، دو تو بالاستیعاب پڑھیں، باقی صرف جستہ جستہ مقامات سے دیکھ سکا۔ اس میں شبہہ نہیں کہ طرز تحریر اور دل نشیں اسلوب کے اعتبار سے وہ کامیاب کتابیں ہیں۔ ان میں کچھ نئی معلومات بھی ہیں، بہت سی پرانی تحقیقات بھی۔ جن میں سے بعض اپنے انداز میں ڈھال کر اور اپنی بنا کر بھی پیش کی گئی ہیں۔ مگر خاصی مقدار میں غلطیاں اور غلط فہمیاں بھی ہیں۔ جن سے اندازہ ہوا کہ یہ کتابیں یا تو پوری دیدہ وری اور چھان بین سے نہیں لکھی گئی ہیں یا پھر پہلے کسی ایک نے غلطی کی اور بعد والوں نے اسی کی تقلید کر لی ــــ اگر وہ کتابیں دوران تحریر میرے پیش نظر ہوتیں تو اس کتاب میں حسبِ موقع اُن پر تنقید بھی لکھتا جاتا، تاکہ ان کے مطالعہ سے جو غلط خیالات بعض ذہنوں میں ہوں وہ دور ہو سکیں۔ مگر افسوس کہ میں انھیں حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ پھر اصل مقصود اپنے موضوع کی تکمیل تھی۔ گزشتہ کتابوں پر تنقید ایک ذیلی کام تھا جو ہو جاتا تو بہتر تھا، نہیں ہوا تو اس کے بغیر میرا موضوع تشنہ نہیں کہا جا سکتا۔ پھر استحضار و بصیرت اور قوتِ موازنہ و فیصلہ رکھنے والے قارئین میری تنقید کے بغیر بھی مقام صحت و سُقم کی تعیین کر سکتے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب میں دو باتیں خاص طور سے ملحوظ رکھی ہیں۔

(۱) ابتدائے نزول سے لے کر انتہائے تدوین تک کی پوری کیفیت کا ذکر اور تاریخ تدوین کا تفصیلی بیان ــــ تائید ربانی کے تحت حفاظت قرآن اور تدوین قرآن کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مساعی جمیلہ اور ان کے عظیم حزم و احتیاط کا تذکرہ تاکہ بآسانی اس بات کا راسخ یقین ہو سکے کہ بلاشبہہ قرآن کریم حذف و اضافہ اور تغیر و تبدل سے محفوظ، شکوک و شبہات سے بالاتر، اور اپنی پوری ترتیب کے ساتھ بالکل قطعی و یقینی ہے۔

(۲) مخالفین اسلام کے الزامات کا پوری متانت و سنجیدگی کے ساتھ تحقیقی جواب۔ جواب کے لیے میں نے کوئی باضابطہ سرخی یا خاص اُسلوب اختیار نہیں کیا ہے بلکہ اُسے قارئین

کے فہم پر چھوڑ رکھا ہے۔ وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کتاب میں مخالفین کے تمام اعتراضات کا تحقیقی جواب دے دیا گیا ہے۔

ان ہی دو باتوں کے ذیل میں بہت سے علمی و تاریخی افادات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ اشاعتِ علم تو اپنا خاص مشن رہا ہے۔ میں اپنے مقصد اور موضوع کی تکمیل میں کہاں تک کامیاب رہا؟ اگرچہ مجھے یک گونہ اطمینان ہے مگر اس کا فیصلہ بالغ نظر، حق گو، انصاف پسند اور کشادہ دل ناقدین کے ہاتھوں ہے۔

میں اپنی اس قلمی کاوش میں خاص طور سے اپنے احبابِ گرامی مولانا عبد المبین نعمانی مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا یٰسین اختر اعظمی ارکان المجمع الاسلامی کا شکر گزار ہوں جن کی تحریک، اصرار اور تعاون سے یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ اُن اساتذہ اور والدین کا بھی جن کا احسانِ تعلیم و تربیت میری ہر دینی و علمی خدمت کا سنگ بنیاد ہے۔ اُن اشخاص اور کتب خانوں کا بھی جن کے ذریعہ مجھے کوئی کتاب حاصل ہوئی۔ اُن رفقا اور طلبا کا بھی جو اس کتاب کی نقل و تبییض، تصحیح، طباعت، اشاعت وغیرہ بہت سے کاموں میں میرے معاون و مددگار ہوئے۔ ان کی فہرست بہت طویل ہے اور ہر ایک کو میری نظر میں کوئی خصوصیت حاصل ہے قلتِ صفحات کے باعث ان کے نام شامل نہ ہو سکے اور درحقیقت ان کے اخلاصِ عمل کا جو اجر خداوند کریم کے یہاں ہے وہ میرے ذکر و شکر سے کہیں زیادہ عظیم و جلیل ہے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کی خدمات کو شرفِ قبول بخشے سب کو اپنے بے پایاں فضل و کرم سے نوازے اور حسنِ خاتمہ نصیب کرے۔ وافضل الصلوٰۃ واکرم التحیۃ علی حبیبہ خیر البریۃ وعلٰی اٰلہ وصحبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وشہداء محبتہ اولی الفضل والفیض والنفوس الزکیہ والخصائل النقیہ۔

محمد احمد الاعظمی المصباحی

المجمع الاسلامی۔ مبارک پور۔ ضلع اعظم گڑھ، ہند

فیض العلوم ۳/۵/۱۴۰۰ھ جمعہ

۲۱/۳/۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداً ومصلیاً ومسلماً

نزولِ قرآن

جمہور مفسرین اور تمام ارباب تحقیق اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ قرآن کریم ماہ رمضان اور شب قدر میں یکبارگی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا۔ اسی کی تائید قرآن مجید اور صریح و صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ قرآن خود بیان فرماتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ. (بقرہ پ۲ ع۷)
رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (قدر پ۳۰)
بلاشبہ ہم نے اسے قدر کی رات میں اتارا۔

مسند امام احمد اور شعب الایمان للبیہقی میں واثلہ بن اسقع سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال انزلت التوراۃ لست مضین من رمضان، والانجیل لثلاث عشرۃ خلت منہ، والزبور لثمانی عشرۃ خلت منہ، والقرآن لاربع وعشرین خلت من شہر رمضان. (فتح الباری لابن حجر العسقلانی ص۲ ج۹)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا توریت کا نزول ۶ رمضان کو، اور انجیل کا ۱۳ رمضان کو، اور زبور کا ۱۸ر کو اور قرآن کا ۲۴ر رمضان کو ہوا۔ (یہ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ ۲۴ر گزر کر پچیسویں شب کو نزول قرآن ہوا۔)

ابوعبداللہ حاکم، مستدرک میں بطریق منصور عن سعید بن جبیر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

انزل القرآن جملۃ واحدۃ فی لیلۃ القدر الی السماء الدنیا و
شب قدر میں قرآن کریم یکبارگی آسمانِ دنیا کی طرف اتارا گیا۔ اور ستاروں کے

کان بمواقع النجوم، وکان اللّٰہ ینزلہ علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بعضہ فی اثر بعض. (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۲۲)

غروب کی جگہ رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یکے بعد دیگرے تھوڑا تھوڑا نازل فرماتا رہا۔

یہ حدیث امام بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔ (اتقان ص ۳۹ ج ۱)

حضرت ابن عباس ہی سے بطریق داؤد بن ہند، عکرمہ راوی ہیں۔

قال انزل القرآن جملۃ واحدۃ الی السماء الدنیا فی لیلۃ القدر ثم انزل بعد ذالک بعشرین سنۃ.

(مستدرک ج ۲ ص ۲۲۲۔ نسائی، بیہقی کما فی الفتح ج ۹ ص ۳ والاتقان ج ۱ ص ۴۰)

فرمایا۔ قرآن یکبارگی شب قدر میں آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا۔ پھر اس کے بعد بیس برس تک نازل ہوتا رہا [1]

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتدا چالیس سال کی عمر میں ہوئی۔ اس کے ساتھ جب اس حدیث کو ملالیں کہ بعد بعثت بیس سال رہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں بھی ہے لبث النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بمکۃ عشر سنین، ینزل علیہ القرآن وبالمدینۃ عشر سنین تو عمر شریف کل ساٹھ برس ہوتی ہے۔ مگر دوسری روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مقدس تریسٹھ (۶۳) سال ہوئی۔ لہٰذا تطبیق کے لئے یہ کہا جائے گا کہ راوی نے تیرہ کی بجائے دس بیان کیا اور کسر چھوڑ دی۔ اسی طرح بعض رواۃ نے صرف ساٹھ (۶۰) بیان کیا اور کسر چھوڑ دی۔ کسر چھوڑنے کا قطعی فیصلہ اس لیے ہے کہ جن لوگوں نے ساٹھ (۶۰) یا تریسٹھ (۶۳) سے زیادہ کی روایت کی ہے خود ان ہی لوگوں سے تریسٹھ (۶۳) کی روایت آئی ہے اس لئے معتمد یہی ہے کہ عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی۔ جن روایات میں کم کا ذکر ہے۔ ان میں کسر ترک کردی گئی ہے جن میں زیادہ کا ذکر ہے ان میں مہینوں کی کسر پوری کر کے پورا سال شمار کر لیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳)

ایک دوسری روایت میں ہے۔

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال فصل القرآن من الذکر فوضع فی بیت العزۃ فی السماء الدنیا فجعل جبریل ینزلہ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویرتلہ ترتیلا۔

(مستدرک ج ۲ ص ۲۲۳۔ ابن ابی شیبہ بحوالہ اتقان ج ۱ ص ۴۰ و فتح الباری ج ۹ ص ۳)

سعید ابن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔ انہوں نے فرمایا، قرآن ذکر سے جدا کرکے آسمان دنیا میں "بیت عزت" کے اندر رکھا رہا۔ پھر جبریل اسے لے کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آتے۔ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے رہے۔

ان تمام حدیثوں کی سندیں صحیح ہیں۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وھٰذا کلہ مطابق لقولہ تعالیٰ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ولقولہ تعالیٰ۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ فیحتمل ان تکون لیلۃ القدر فی تلک السنۃ تلک اللیلۃ فانزل فیھا جملۃ الی السماء الدنیا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳)

یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ماہ رمضان جس میں قرآن اتارا گیا" اور اس کے فرمان "بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا" کے مطابق ہے۔ ہو سکتا ہے اُس سال شب قدر وہی رات رہی ہو۔ تو اس میں پورا قرآن آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا۔

حکمت "تنزیل"[1] ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن لوح محفوظ سے یک بارگی، رمضان کے مہینے، قدر کی رات میں آسمان دنیا

---

[1] تنزیل بار بار کرکے اتارنا۔ انزال۔ یکبارگی اتارنا ۱۲

کی طرف اتارا گیا۔ پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ اس طریقہ تنزیل کی حکمت خود قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝

(فرقان پ۱۹ ع ۱۲)

کافر بولے۔ ان پر قرآن ایک ساتھ کیوں نہ اترا۔ ہم نے یوں ہی بتدریج اُسے اُتارا ہے تاکہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں۔ اور ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کے پڑھا اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔

دوسری آیت میں ہے۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل پ۱۵ ع ۱۲)

اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا تاکہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا۔

حضرت عکرمہ سے حاکم، نسائی اور بیہقی کی جو روایت گزری اس کے آخر میں ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یہ الفاظ مزید روایت کیے ہیں۔

فکان المشرکون اذا احدثوا شیئًا احدث اللہ لھم جوابا۔

(اتقان ج ا ص ۴۰)

تو مشرکین جب کوئی نئی بات نکالتے اللہ تعالیٰ ان کا جواب ظاہر فرماتا۔

المرشد الوجیز فیما یتعلق بالقرآن العزیز میں ابوشامہ بیان فرماتے ہیں۔

السرفی انزاله جملة
الى السماء تفخيم امره وامرمن
نزل عليه وذالك باعلام
سكان السموات السبع أن
هذا آخر الكتب المنزلة على
خاتم الرسل لاشرف الامم
قد قربناه اليهم لننزله
عليهم ولولا ان الحكمة
الالهية اقتضت وصوله
اليهم منجما بحسب الوقائع
لهبط به الى الارض جملة
كسائر الكتب المنزلة قبله
ولكن الله باين بينه وبينها
فجعل له الامرين انزاله
جملة ثم انزاله مفرقا،
تشريفا للمنزل عليه
(اتقان ج ا ص ۴٠)

اُسے یک بارگی آسمان کی طرف نازل
فرمانے میں حکمت یہ ہے کہ قرآن اور اس
ذات کی عظمت کا اظہار ہو جس پر قرآن
نازل ہوا۔ وہ اس طرح کہ ساتوں آسمانوں
کے رہنے والوں کو پہلے ہی خبردار کر دیا جائے
کہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری پیغمبر پر
سب سے بہتر امت کے لئے نازل ہونے
والی ہے ہم نے اُسے ان کے قریب کر دیا
ہے تاکہ ان پر اسے بتدریج نازل فرمائیں
اور اگر حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ نہ ہوتا کہ
بلحاظ واقعات وحوادث تھوڑی تھوڑی
ان تک پہونچے تو اس سے پہلے نازل
شدہ دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی یکبارگی
اتاری جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس
آخری کتاب اور دوسری آسمانی کتابوں کا
معاملہ جدا رکھا۔ اسے دونوں طرز بخشے۔
یکبارگی نزول پھر جدا جدا نزول۔ تاکہ
اس ذات کا شرف ظاہر ہو جس پر اس کا
نزول ہوا۔

مزید فرماتے ہیں۔

فان الوحی اذا کان
یتجدد فی کل حادثة کان
اقوی بالقلب، واشد

کیوں کہ ہر واقعہ میں جب وحی کا
تازہ نزول ہوتا رہے گا تو قلب مبارک کی
زیادہ تقویت کا سبب، اور مہبط وحی

عناية بالمرسل اليه ويستلزم ذلك كثرة نزول الملك اليه وتجدد العهد به وبما معه من الرسالة الواردة من ذلك الجناب العزيز فيحدث له السرور ما تقصر عنه العبارة ولهذا كان اجود ما يكون فى رمضان لكثرة لقيائه جبريل.

(ایضاً)

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذات گرامی کے ساتھ ربانی عنایت واہتمام مزید کا ظہور ہوگا. جس کے نتیجے میں لازمی طور پر ان کے پاس فرشتے کا نزول زیادہ ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ان کا تعلق تازہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح اس پیغام کے ساتھ بھی. جو بارگاہِ عزیز سے آرہا ہے پھر اس سے وہ کیف وسرور پیدا ہوگا جس کے بیان سے عبارت قاصر ہے. جبھی تو جناب رسالتمآب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شان سخاوت دیگر ایام سے زیادہ نمایاں رمضان میں ہوتی۔ کیونکہ فرشتۂ یزدانی جبریل امین سے ان کی ملاقات زیادہ ہوتی۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے میں چند حکمتیں تھیں.

(۱) ہبط وحی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی تسکین وتقویت کا سبب ہو۔ اور کفار ومشرکین کی اذیتوں کے مقابلے میں لطف کریم سے تسلی ملتی رہے اور انہیں ہر اذیت پر خدا کی طرف سے صبر کی تلقین ہوتی رہے.

(۲) کبھی یوں کہ بار رسالت اٹھانے والوں کو ہمیشہ ان سختیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ انہوں نے صبر کام لیا. تم بھی صبر سے کام لو.

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا.

(انعام پ۷ ع ۱۰)

اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا. اس جھٹلانے پر.

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ. (احقاف پ۲۶ ع ۴)

تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ہود پ۱۲ ع ۱۰)

اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبر سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔

(ب) کبھی یوں کہ ان کو بھی صبر کا حکم دیا جاتا رہے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا. (طور پ۲۷ ع ۴)

اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو بے شک تم ہماری نگاہ داشت میں ہو۔

(ج) کبھی یوں کہ رسولوں کو ہمیشہ فتح و نصرت ملتی رہی تمہیں بھی غلبہ اور فتح ہی حاصل ہوگی۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ. وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ. (صٰفّٰت پ۲۳ ع ۹)

اور بے شک ہمارا کلام گذر چکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے۔ کہ بے شک ان ہی کی مدد ہوگی۔ اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب آئے گا۔

(د) کبھی یوں کہ پہلے ہی بتا دیا جاتا کہ تمہارے اعدا کو شکست ہوگی۔ وہ خائب و خاسر ہوں گے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. (قمر پ۲۷ ع ۱۰)

اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور وہ پیٹھیں پھیر دیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ.

فرما دو کافروں سے، کوئی دم جاتا ہے کہ تم مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤگے اور وہ بہت ہی

(آل عمران پ۴ ع ۱۰) برا بچھونا۔

(۲) بار بار نزول سے خدا کے اعزاز اور عنایات کا ظہور ہوتا رہے۔ وصول آیات اور فرشتۂ یزدانی کی ملاقات سے بے پایاں مسرتیں حاصل ہوتی رہیں۔

(۳) مشرکین کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا رہے۔

(۴) واقعات و حوادث کے مطابق نزول اور ان پر تنبیہ ہوتی رہے۔

(۵) احکام شرعیہ کا نفاذ بتدریج ہو تاکہ امت پر گراں نہ ہو۔

(۶) قرآن کا حفظ، قرآن کا فہم و اخذ امت پر سہل ہو۔

(۷) اس بات کی رہنمائی بار بار ہوتی رہے کہ قرآن کا کوئی نازل فرمانے والا ہے جس کی طرف سے تنزیل ہوا کرتی ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔ اتارا ہوا ہے حکمت والے ستودہ صفات کا۔
(حم سجدہ پ۲۴ ع ۱۹)

حفاظتِ قرآن

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو آیات اترتیں انہیں بڑے اہتمام سے خود یاد کرتے۔ پھر صحابہ کو سناتے۔ حفظ کی کوشش یہاں تک تھی کہ درمیان نزول قراءتِ جبریل کے ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے کہ کہیں یاد ہونے سے رہ نہ جائیں۔ نزول قرآن کا باریوں ہی بے پناہ گراں۔ لو انزلنا ھٰذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ (حشر پ۲۸ ع ۶) (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتاتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا۔ پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے) اس پر یہ مشقت اور ہی گراں۔ اس کریم ورحیم کو جسے محبوب کے احوال کا بڑا ہی لحاظ تھا۔ یہ مشقتِ مزید گوارا نہ ہوئی۔ فرمایا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔
(قیامہ پ۲۹ ع ۱۷)

تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

مگر یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس جمع ربانی کے تحت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حفاظت قرآن کا وہ بے مثل انتظام فرمایا کہ عہد اکرم ہی میں قرآن کریم کے ضیاع اور تحریف و تبدیل کا خوف جاتا رہا۔ ایک طرف تو صحابۂ کرام کو حفظِ قرآن کی ترغیب دی دوسری طرف عرب کی بے نظیر قوتِ حافظہ کے باوجود کتابتِ قرآن کا اہتمام فرمایا یہی وہ دو اہم انتظام ہیں جنہیں باعتبارِ ظاہر حفاظتِ قرآن کی "اساس" قرار دیا جاسکتا ہے۔

حفظِ قرآن کی اہمیت

اب یہاں ہم ایسی چند احادیث ذکر کریں گے جن سے اندازہ ہوگا کہ عہدِ رسالت میں حفظِ قرآن کی اہمیت کیا تھی؟ اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسولِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان سب اقدامات کے باوجود ممکن نہیں کہ صحابہ کی خیر و کمال میں جذبۂ سبقت و مسابقت رکھنے والی عظیم و کثیر جماعت میں پورے قرآن کے حافظ صرف چار رہے ہوں۔

سرکار نے قرآن سیکھنے، سکھانے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی۔ متعدد صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ حضور نے انہیں کوئی سورہ یا آیت بڑے اہتمام سے سکھائی اور یہ تو عام ارشاد تھا۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔ — تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

(مسند احمد ص۵۸ ج۱ بخاری ص۷۵۲ ج۲، ابوداؤد ص۲۲۹ ج۱ مصری، ترمذی ص۱۱۵ ج۲، ابن ماجہ ص۱۹، نسائی، الترغیب والترہیب ص۳۵۵ ج۲)

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتایا کہ حافظِ قرآن کا درجہ بہت بلند اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله تعالىٰ — حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ ؑ کا ارشاد ہے۔

فرمائی کہ قرآن یاد ہو جانے کے بعد بھولنے نہ پائیے۔ اور بھلانے والے کے لیے سخت وعیدیں بیان فرمائیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعاھدوا القراٰن فوالذی نفسی بیدہ لھو اشد تفصیا من الابل فی عُقُلھا۔
(بخاری ص ۷۵۳، ج ۲، مسلم ص ۲۶۸ ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن کی حفاظت و پابندی کرو کہ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ یہ رسیوں میں بندھے اونٹوں سے بھی زیادہ چھوٹ کر نکل جانے والا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

استذکروا القراٰن فانہ اشد تفصیا من صدور الرجال من النَّعَم۔ (بخاری ص۷۵۳، ج ۲، مسلم ص۲۶۷ ج ۱ و زاد مسلم "بعقلھا" نسائی ص۱۱۰ ج ۱)

قرآن یاد کیا کرو۔ کہ رسیوں سے اونٹوں کے چھوٹ نکلنے کی بہ نسبت وہ آدمیوں کے سینوں سے نکل کر جدا ہونے میں زیادہ تیز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انما مثل صاحب القراٰن کمثل صاحب الابل المعقلة ان عاھد علیھا امسکھا، وان اطلقھا ذھبت۔
(بخاری ص ۷۵۲، مسلم ص۲۶۷ ج ۱، نسائی ص۱۱۰ ج ۲)

قرآن یاد رکھنے والے کی مثال اس شخص کی ہے جو رسیوں میں بندھے اونٹ رکھتا ہو۔ اگر ان کی دیکھ بھال کرے تو روک سکے، اور اگر چھوڑ دے تو نکل بھاگیں۔

(۴) عہد رسالت میں امامت کے لیے اسی کو ترجیح حاصل ہوتی جو زیادہ قرآن کا حافظ ہو۔ وہی اس زمانے میں زیادہ علم والا بھی ہوتا۔

ابن مندہ جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا مات حامل القرآن اوحی اللہ الی الارض ان لاتاکلی لحمہ تقول ای ربّ کیف آکل لحمہ وکلامک فی جوفہ۔ قال ابن مندہ وفی الباب ابو ھریرۃ وعبد اللہ بن مسعود۔

(شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور لجلال الدین السیوطی ص۱۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب حافظ قرآن مرتا ہے خدائے تعالیٰ زمین کو حکم فرماتا ہے کہ اس کا گوشت نہ کھانا، عرض کرتی ہے، پروردگارا! بھلا میں اس کا گوشت کیوں کر کھاؤں گی جب اس کے سینے میں تیرا مقدس کلام محفوظ ہے۔ ابن مندہ نے کہا: اس باب میں ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔

حضرت علی ابن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ادّبوا اولادکم علی ثلاث خصال حب نبیکم۔ وحب اھل بیتہ وقراءۃ القرآن فان حَمَلَۃَ القرآن فی ظل اللہ یوم لاظل الاظلہ، مع انبیائہ واصفیائہ۔

(دیلمی۔ مختار الاحادیث مصری ص ۹ کنزالعمال)

اپنی اولاد کو تین باتوں کا ادب دو۔ (۱) محبت رسول (۲) حب اہل بیت (۳) قراءت قرآن۔ کیونکہ حفاظِ قرآن انبیا واصفیا کے ساتھ خدا کے سایۂ کرم میں اس دن ہوں گے جس دن اس کے سایۂ کرم کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات کی بہت زیادہ تاکید

(احمد، ترمذی صـ۲۰۴ ج ۱، ابوداؤد صـ ج ۲، نسائی صـ۲۸۳ ج ۱، ابن ماجہ صـ۱۱ و صـ۱۱۳ بعضہ و بعضہ عن جابر بن عبداللہ. بخاری نحوہ عن جابر صـ۱۰۹ ج ۱)

(۶) نماز میں کچھ قرآن پڑھنا فرض، سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ، یا کم از کم تین چھوٹی آیتوں کی قراءت نماز کی ہر رکعت میں واجب ہوئی (فرض کی صرف تیسری اور چوتھی رکعت اس حکم سے مستثنیٰ ہے) جس کے باعث ہر مسلمان کچھ نہ کچھ قرآن ضرور یاد رکھتا. رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا.

ان الذی لیس فی جوفہ شیٔ من القرآن کالبیت الخرب. (ترمذی صـ۱۱۵ ج۲ حاکم، دارمی) وقال الترمذی ہذا حدیث صحیح.

وہ شخص جس کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں ویران گھر کی طرح ہے.

ان ارشادات اور اس اہتمام عظیم کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ جزوی قرآن کے حافظوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں، پورے قرآن کے حافظوں کی تعداد اس حد کو پہونچ گئی کہ سریۂ بیر معونہ میں (جو عہد رسالت ہی میں پیش آیا) ستر حفاظ قرآن شہید ہوئے (بخاری صـ۵۸۶ ج ۲) یقیناً ان کی شہادت کے بعد بھی حفاظ کی کثیر تعداد موجود تھی. جبھی تو وصال سید عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذرا بعد ۱۱ھ ہی میں پیش آنے والی جنگ یمامہ میں حافظ شہدا کی تعداد سات سو تک آئی ہے.

قرآن کے عدم تواتر کا الزام

مگر اسے کیا کیجیے گا کہ ان سب کے باوجود مخالفینِ اسلام کا الزام یہ ہے کہ عہد رسالت میں صرف چار حافظ تھے. زمانۂ مابعد میں ان ہی چار سے قرآن منقول ہوا. لہٰذا عہد رسالت سے تواتر کے ساتھ قرآن منقول نہ ہوا. کیونکہ صرف چار کی تعداد سے تواتر نہیں ہوسکتا.

ان کے شبہہ کی بنیاد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث پر ہے.

عن قتادۃ قال سمعت انسا جمع القرآن علیٰ عہد

قتادہ بیان کرتے ہیں، میں نے حضرت انس سے سنا. رسول اللہ صلی اللہ

حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللہ۔
(مسلم ص۲۳۶ ج۱، نسائی ص۸۹ ج۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، لوگوں کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا زیادہ پڑھنے والا ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں فرماتے ہیں۔

والاظہر ان معناہ اکثرھم قراءۃ۔ بمعنی۔ احفظھم للقرآن۔ کما ورد۔ اکثرھم قرآنا۔ (ج ۲ ص ۸۸)

ظاہر تر یہی ہے کہ "اقرأ" کا معنی زیادہ قراءت والا، یعنی جو زیادہ قرآن کا حافظ ہو۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے تم میں "زیادہ قرآن والا"۔

حضرت ابوسعید سے روایت ہے۔ سرکار ارشاد فرماتے ہیں۔

احقھم بالامامۃ اقرأھم۔
(مسلم ص۲۳۲ ج۱)

لوگوں میں امامت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو۔

۵ ضرورۃً ایک قبر میں چند آدمی دفن کیے جاتے تو جانبِ قبلہ مقدم وہی رکھا جاتا جو دوسروں پر حفظِ قرآن میں فائق ہوتا۔

حضرت ہشام ابن عامر سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یوم احد احفروا واوسعوا، واعمقوا، واحسنوا وادفنوا الاثنین والثلثۃ فی قبر واحد، وقدموا اکثرھم قرآنا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن فرمایا۔ قبر کھودو کشادہ، گہری، اور عمدہ کھودو۔ اور ایک قبر میں دو تین آدمیوں کو دفن کرو اور آگے اسے رکھو جو زیادہ قرآن والا ہو۔

منهم على انفراده واخبره عن نفسه انه لم يكمل له جمع فى عهد النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهذا فى غاية البعد فى العادة ـــ واذا كان المرجع الىٰ ما فى علمه لم يلزم ان يكون الواقع كذالك۔

(اتقان ج ۱ ص ۱۷)

بلکہ مختلف شہروں میں منتشر تھے. سب کا احاطہ وشمار جبھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے الگ الگ سب سے ملاقات کی ہو. اور ہر ایک نے انہیں اپنے بارے میں باخبر کیا ہو کہ اس نے عہد نبوت میں تکمیل حفظ نہ کی، اور عادۃً ایسی تفتیش وتحقیق انتہائی بعید ہے" نتیجۃً یہی کہنا ہوگا کہ انہوں نے محض اپنے علم واطلاع کے لحاظ سے کہا ہے تو فی الواقع بھی ویسا ہی ہونا ضروری نہیں۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے اس کے متعدد جوابات دیتے ہوئے ایک جواب یہ بھی ذکر فرمایا ہے۔

السادس ـ المراد بالجمع الکتابۃ، فلا ینفی ان یکون غیرهم جمعه حفظا عن ظهر قلبه، واما هؤلآء فجمعوه کتابۃ وحفظوه عن ظهر قلب۔

(فتح الباری ج ۹۔ اتقان ج ۱ ص ۱۷)

جواب ششم یہ ہے کہ حضرت انس کے قول میں "جمع" کے لفظ سے کتابت مراد ہو. کہ صرف ان چار حضرات نے پورا قرآن لکھا اور یاد کیا. یہ دوسرے حضرات کے حفظ کرنے کے منافی نہیں۔

علامہ ابن حجر ان جوابات کو نقل کرکے فرماتے ہیں۔

وفی غالب هذه الاحتمالات تکلف۔

ان میں سے اکثر احتمالات میں تکلف ہے۔

علامہ موصوف ایک حدیث ذکر فرماتے ہیں. اور اس کی روشنی میں یہ واضح کرتے ہیں کہ حضرت انس کا قول صرف ایک قبیلے کے مقابلہ میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اربعۃ کلھم من الانصار معاذ بن جبل و ابی بن کعب، وزید بن ثابت و ابو زید۔

تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں چار آدمیوں نے قرآن یاد کیا۔ سب انصاری تھے۔ معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو زید۔

(بخاری ج ۲ ص ۷۴۸)

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

مات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یجمع القرآن غیر اربعۃ ابو الدرداء ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت و ابو زید۔ (بخاری)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال اس وقت ہوا کہ صرف ان چار آدمیوں نے قرآن حفظ کیا تھا۔ ابو الدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، اور ابو زید۔

لیکن دوسری روایات و احادیث سے عہد رسالت میں بکثرت حفاظ کا وجود صراحۃً ثابت ہے۔ لہٰذا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے یہ استدلال ہرگز صحیح نہیں کہ واقعۃً عہد رسالت میں صرف چار حفاظ تھے۔

امام مازری فرماتے ہیں۔

لا یلزم من قول انس "لم یجمعہ غیرھم" ان یکون الواقع فی نفس الامر کذلک لان التقدیر انہ لا یعلم ان سواھم جمعہ، والا فکیف الاحاطۃ بذلک مع کثرۃ الصحابۃ وتفرقھم فی البلاد۔ وھذا لا یتم الا ان کان لقی کل واحد

حضرت انس نے فرمایا "ان کے علاوہ نے حفظ نہ کیا" اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہو۔ اس لیے کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ انہیں ان چار کے سوا دوسرے حضرات کے حفظ کا علم نہ تھا۔ اگر یہ نہ مانا جائے تو بھلا بتائیے سارے حفاظ کا احاطہ و شمار انہوں نے کیسے کیا ہوگا؟ جبکہ صحابہ بہت زیادہ تھے اور یکجا نہیں

علیہم اجمعین کا ذکر ہی نہیں۔ جن سے بالکل بعید ہے کہ انہوں نے حفظِ قرآن جیسی اہم فضیلت نہ حاصل کی ہو۔ جب کہ اس سے کم درجہ کی طاعات وعبادات میں ان کی حرص ورغبت معروف وممتاز ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۲۹۴)

ابن حجر فتح الباری میں رقم طراز ہیں۔ بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کی زندگی ہی میں قرآن حفظ کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا رکھی تھی جس میں قرآن پڑھا کرتے۔ یعنی اس وقت تک جتنا نازل ہو چکا ہوتا پڑھتے رہتے۔ مزید فرماتے ہیں، ان کے حافظ ہونے میں ذرا بھی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن سیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ اور اس سے ان کے لیے کوئی مانع بھی نہ تھا بلکہ وہ اس کام کے لیے فارغ البال تھے۔ انہیں ہمیشہ اس کی سہولت بھی تھی۔ مدینہ اور سفرِ ہجرت کے علاوہ مکہ میں بھی معیت کا شرف حاصل تھا۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے گھر روزانہ صبح وشام تشریف لاتے ۔ علاوہ ازیں حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ قرآن کا یاد رکھنے والا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت صدیق کو امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ اگر ان سے زیادہ کوئی حافظ ہوتا تو اس پر انہیں بھلا کیسے مقدم کرتے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہی سب سے زیادہ قرآن کے حافظ تھے۔ (فتح الباری ج ۹)

طبقات ابن سعد، مستدرک حاکم، اور کتاب ابن ابی داؤد میں محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے۔

جمع القرآن فی زمان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خمسۃ من الانصار، معاذ بن جبل، و

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں پانچ انصار نے قرآن حفظ کیا۔ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت

تمام صحابہ کرام کے مقابلہ میں نہیں۔ حدیث یہ ہے۔

عن انس قال افتخر الحیان الاوس والخزرج فقال الاوس منا اربعة. من اهتزله العرش سعد بن معاذ و من عدلت شهادته بشهادة رجلین خزیمة بن ابی ثابت ومن غسلته الملائكة حنظلة بن ابی عامر، ومن حمته الدبر عاصم بن ابی ثابت (ای ابن ابی الافلح)۔ فقال الخزرج منا اربعة جمعوا القرآن لم یجمعه غیرهم فذكرهم.

(فتح الباری ج ۹)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اوس وخزرج نامی انصار کے دونوں قبیلوں نے باہم مفاخرت کی۔ اوس نے کہا ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جیسے تم میں نہیں (۱) سعد بن معاذ جن کی روح کے استقبال میں عرش جھوم اٹھا۔ (۲) خزیمہ بن ابی ثابت جن کی شہادت دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دی گئی۔ (۳) حنظلہ بن ابی عامر جنہیں بعد شہادت فرشتوں نے غسل دیا۔ (۴) عاصم بن ابی ثابت۔ بعد شہادت جن کی نعش مبارک کفار کی بے حرمتی سے شہد کی مکھیوں کے ذریعہ محفوظ رکھی گئی ـــــ اس پر خزرج نے کہا، ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے پورا قرآن یاد کیا، اور دوسروں نے نہ کیا، پھر ان کے نام گنائے۔

جب قبیلہ خزرج کی طرف سے قبیلۂ اوس کے مقابلہ میں یہ بات کہی گئی ہے تو اس کا معنی واضح ہے، اب حضرت انسؓ کے قول کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہم خزرج میں چار حفاظ ہیں۔ اور اوس میں کوئی حافظ نہیں۔ اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے قبیلوں، اور مہاجرین میں بھی حفاظِ قرآن نہ ہوں۔
علاوہ ازیں علامہ نووی فرماتے ہیں یہ حصر کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ ان میں خلفاء اربعہ۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور دوسرے صحابہ کبار رضوان اللہ تعالےٰ

فقال اقرأ فی شهر. (نسائی)

تو فرمایا ایک مہینہ میں ختم کر لیا کرو۔

حضرت انس کی حدیث میں ان کا نام بھی نہیں ___ صحیح بخاری میں مسروق سے روایت ہے۔

ذکر عبد اللہ عند عبد اللہ بن عمرو، فقال ذاک رجل لا ازال أحبہ بعد ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول استقرؤا القرآن من اربعۃ، من عبد اللہ بن مسعود، فبدأ بہ وسالم مولیٰ ابی حذیفۃ وابی بن کعب، ومعاذ بن جبل قال لا ادری بدأ بابیّ او بمعاذ بن جبل۔

(بخاری ابواب المناقب ج ا ص۵۳۱ اصح المطابع دہلی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا یہ وہ شخص ہیں جنہیں میں اس کے بعد سے برابر محبوب رکھتا ہوں جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔ عبد اللہ بن مسعود سے سرکار نے ان کا نام پہلے لیا۔ اور ابو حذیفہ کے غلام سالم، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے۔ انہوں نے کہا پتہ نہیں سرکار نے ابی کا نام پہلے لیا یا معاذ بن جبل کا

اس حدیث میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر ہے جو حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی ہیں، جو قدیم الاسلام، بعد خلفاء اربعہ افقہ الصحابہ، اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مذکورہ خصوصیت کے حامل ہونے کے ساتھ، قرآن کے اتنے زبردست عالم ہیں کہ خود فرماتے ہیں:

عبادة بن الصامت وابی بن کعب وابوایوب، وابوالدرداء۔	ابی بن کعب، ابوایوب، ابوالدرداء۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱۔ فتح الباری ج ۹ ص ۴۴)

اس میں حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابوایوب کا ذکر ہے، جو حضرت انس کی حدیث میں نہیں۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند حسن ہے۔

ابن سعد، یعقوب بن سفیان، طبرانی (فی الکبیر) اور حاکم مستدرک میں جلیل القدر تابعی امام شعبی سے راوی ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

جمع القرآن علٰے عہد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ستة نفر من الانصار ابی بن کعب وزید بن ثابت، ومعاذ بن جبل وابوالدرداء وسعید بن عبید، وابو زید، وکان مجمع بن جاریة قد اخذہ الا سورتین اوثلاث۔	عہد رسالت میں چھ انصار نے قرآن حفظ کیا۔ ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، سعید بن عبید، ابوزید۔ اور مجمع بن جاریہ نے بھی دو تین سورتوں کے علاوہ پورا قرآن یاد کر لیا تھا۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲)

اس میں حضرت سعید بن عبید کا نام مزید ہے۔ فتح الباری میں ہے مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح ج ۹ ص ۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح مروی ہے فرماتے ہیں۔

جمعت القرآن فقرأت بہ کل لیلة فبلغ النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	میں نے قرآن حفظ کر لیا تو ہر رات پورا قرآن پڑھتا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو کر بغور اس کی قراءت سننے لگے جب ہم اس شخص کو پہچاننے کی کوشش کر کے تھک گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من سرہ ان یقرأ القرآن کما انزل فلیقرأہ علی قراءۃ ابن ام عبد۔

جسے اس بات سے خوشی ہو کہ قرآن جیسا نازل ہوا ہے ویسا ہی پڑھے تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کی قراءت پر پڑھے۔

پھر وہ شخص بیٹھا دعا کرتا رہا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے فرمانے لگے سل تعطہ۔ مانگو۔ تمہیں عطا ہو۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔

فقلت واللہ لاغدون الیہ فلا بشرنہ قال فغدوت الیہ لا بشرہ فوجدت ابابکر قد سبقنی، فبشرہ۔ فواللہ ماسابقتہ الی خیر قط الا سبقنی الیہ۔

(مستدرک ج ۲ ص ۲۲۷)

میں نے کہا۔ خدا کی قسم! میں سویرے اس کے پاس جا کر یہ خوش خبری اسے ضرور سناؤں گا۔ اس کے یہاں صبح کو خوش خبری سنانے گیا تو دیکھا کہ ابو بکر نے مجھ سے پہلے جا کر اسے مژدہ سنا دیا۔ خدا کی قسم میں نے جب بھی کسی نیک عمل میں ان سے مسابقت کی وہی مجھ پر سبقت لے گئے۔

یہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کا حفظ و قراءت میں مقام۔ لیکن حضرت انس کی حدیث میں ان کا بھی ذکر نہیں۔ یقیناً اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان ان کے اپنے علم کی حد تک ہے۔ یا یہ کہ انہوں نے صرف قبیلہ اوس کے مقابلہ میں خزرج کے حفاظ کا ذکر کیا۔ جس سے بس اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ انصار میں یہی چار حفاظ تھے۔ مگر حضرت انس کی حدیث میں بھی، ایک روایت میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے۔ دوسری میں ان کی جگہ حضرت ابو الدرداء (عویمر بن مالک) کا تذکرہ ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضرت قتادہ کی روایت میں بغیر حصر کے ہے۔ دوسری روایت میں حصر کے ساتھ ہے۔ اس لئے یہ حصر بجائے خود اسی حدیث سے محلِ نظر ثابت ہو جاتا ہے۔

والله الذی لا اله غیره ما انزلت سورة من کتاب الله الا انا اعلم این نزلت، وما انزلت اٰیة من کتاب الله الا انا اعلم فیما انزلت ولو اعلم احدا اعلم بکتاب الله منی تبلغه الابل لرکبت الیه۔

(بخاری باب القراء ج ۲ ص۷۴۸)

قسم خدا کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں قرآن کی جو سورہ بھی نازل ہوئی ہیں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی۔ اور جو آیت بھی اتری میں جانتا ہوں کہ کس بارے میں اتری۔ اور اگر مجھ سے زیادہ کوئی عالم قرآن دریافت ہوتا جس تک اونٹوں کے ذریعہ رسائی ہو سکے تو میں اس کے پاس حاضر ہوتا۔

اوران کے حفظ وقراءت کی شان اُس حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو حاکم نے مستدرک میں حضرت علقمہ بن قیس علیہ الرحمہ سے روایت کی ہے۔ کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص آیا وہ عرفہ میں تھے۔ اس نے عرض کیا۔ امیرالمومنین! میں کوفہ سے آیا ہوں۔ وہاں ایک شخص ہے جو زبانی اپنی یادداشت سے مصاحف لکھاتا ہے۔ یہ سن کر فاروق اعظم اتنے غضب ناک ہوئے کہ غصہ سے پھولنے لگے، معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص کے دونوں کنارے بھر دیں گے۔ فرمایا۔ ارے تم پر افسوس! وہ ہے کون؟ اس نے عرض کیا۔ عبداللہ بن مسعود۔ اب آہستہ آہستہ ان کا غصہ فرو ہونے لگا اور پہلے کی طرح پُرسکون ہو گئے۔ پھر فرمایا۔

ویحلك، والله ما اعلمه بقی احد من المسلمین هو احق بذلك منه۔

ارے! خدا کی قسم عبداللہ بن مسعود سے زیادہ اس کام کا مستحق اب مسلمانوں میں اور کوئی نہیں۔

میں تمہیں ایک حدیث سناؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ابوبکر صدیق کے یہاں رات کو مسلمانوں کے کسی معاملہ میں گفتگو کیا کرتے، ایک رات میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے نکلے ہم لوگ بھی نکل چلے دیکھا تو مسجد میں ایک شخص کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ رسول اللہ

ہاتھوں شہادت پائی۔ فاروق اعظم پکار اٹھے۔

صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقول انطلقوا بنا نزور الشہیدہ۔

سچ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے۔ فرمایا کرتے چلو ہم "شہیدہ" کی زیارت و ملاقات کریں گے۔

(اتقان ج ۱ صـ۷۲)

یہ تیئیس ۲۳ حفاظِ صحابہ کے اسمائے گرامی پیش ہوئے۔ مگر اب بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ میں بس اتنے ہی حفاظ تھے۔ اس لئے کہ عہدِ صدیقی کی جنگ یمامہ میں سات سَو سے زیادہ حفاظ صحابہ کی شہادت ہوئی (عینی ج ۲۰ صـ۱۶)

جنگ یمامہ ۱۱ھ ہی میں وصال سرور عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چند ماہ بعد واقع ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اتنے کثیر حفاظ یک بیک تو پیدا نہ ہوئے ہوں گے یقیناً ان میں اکثر وہی ہوں گے جو عہد رسالت ہی میں حفظ کی تکمیل کر چکے ہوں تو تیئیس ۲۳ سے بھی زیادہ حفاظ کا عہدِ رسالت میں ہی ہونا یقینی طور پر لازم آتا ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہاں حفاظ سے بحث ہے جنہیں پورا قرآن یاد ہو۔ رہا اجزائے قرآن یا کچھ قرآن کا حفظ تو اس سے تو شاید ہی کوئی مسلمان مستثنیٰ کیا جاسکے۔ سرکار کے حجۃ الوداع میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کو پہونچ چکی تھی۔

اب آپ غور کیجئے کیا ان سب حقائق کے پیش نظر قرآن کریم کے عدم تواتر کا استدلال "تارِ عنکبوت" سے کچھ زیادہ حیثیت رکھتا ہے؟ — امام مازری فرماتے ہیں —

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عہد رسالت میں کوئی جماعت کثیرہ ایسی نہ تھی جس کے ہر فرد کو پورا قرآن یاد ہو، تو بھی قرآن عظیم کا عدم تواتر ثابت نہیں ہوسکتا قرآن کا تواتر یوں بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ اجزائے قرآنیہ ایک جم غفیر کو یاد ہوں۔ دوسرے کو نہیں، کچھ دوسرے کو یاد ہوں، پہلے کو نہیں، اسی طرح مختلف اجزا۔ مختلف بڑی جماعتوں کو یاد ہوں۔ مثلاً الگ الگ پانچ پانچ، دس، دس، سورتیں بیس پچیس

چند حفاظ صحابہ کے اسماء

اب تک جو احادیث ذکر ہوئیں ان سے مندرجہ ذیل حفاظ کے نام معلوم ہوئے۔

معاذ[1] بن جبل، ابی[2] بن کعب، زید[3] بن ثابت، ابوزید[4]، ابوالدرداء[5]، عبادہ[6] بن صامت، سعید[7] بن عبید، عبداللہ[8] بن عمرو بن العاص، عبداللہ[9] بن مسعود، سالم[10] بن معقل مولی ابی حذیفہ، ابوبکر[11] صدیق۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ابوعبید نے کتاب القراءات میں درج ذیل حفاظ صحابہ کا ذکر فرمایا ہے۔

مہاجرین سے خلفائے اربعہ ابوبکر[1]، عمر[2]، عثمان[3]، علی[4]، طلحہ[5]، سعد[6]، ابن مسعود[7]، حذیفہ[8]، سالم[9]، ابوہریرہ[10]، عبداللہ[11] بن سائب، عبداللہ[12] بن عباس، عبداللہ[13] بن عمر، عبداللہ[14] بن عمرو، عائشہ[15]، حفصہ[16]، ام سلمہ[17]۔

انصار سے عبادہ[18] بن صامت، معاذ[19]، جن کی کنیت ابوحلیمہ تھی، مجمع[20] بن جاریہ فضالہ[21] بن عبید، مسلمہ[22] بن مخلد۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین — ان ہی کے ساتھ معاذ[23] بن جبل، ابی بن کعب[24]، زید بن ثابت[25]، ابوزید[26] (قیس بن السکن) ابوالدرداء[27]، سعید[28] بن عبید، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو بھی شمار کر لیا جائے جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔

لیکن ابوعبید نے اپنے ذکر کردہ حفاظ کے بارے میں لکھا ہے کہ "ان میں سے بعض نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تکمیل کی ہے" — مثلاً مجمع بن جاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق امام شعبی کی روایت گزری کہ حضور کے زمانے میں پورے قرآن کے حافظ تھے۔ مگر دو تین سورتیں اس وقت انہیں یاد نہ تھیں۔

ابن ابی داؤد نے تمیم داری[29] و عقبہ بن عامر[30] کا — اور ابوعمرو دانی نے ابوموسیٰ[31] اشعری کا اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بحوالہ طبقات ابن سعد، ام ورقہ[32] بنت عبداللہ بن حارث کا بھی ذکر کیا ہے۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے عہد مبارک میں "شہیدہ" کے لقب سے یاد فرماتے۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں، انہوں نے اپنے مدبر غلام اور باندی کے

وبدکرداری پر فخر کیا کرتے ۔ ان ہی حالات کی بنا پر اس دور کو دورِجاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى. (احزاب پ۲۲ ع۱) — اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔

کچھ ویسے ہی بلکہ اس سے بھی بدتر حالات، آج یورپ میں پیدا ہو چکے ہیں اس خاص اصطلاح کے پیش نظر مغرب کو اس کی تمام نزایجادات، علم وفن اور دنیاوی ترقیوں کے باوجود نمونۂ "جاہلیت" کہا جا سکتا ہے۔

کتابت کا ثبوت تو خود قرآن سے ملتا ہے۔

وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِىْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (پ۲۷ ع۳) — طور کی قسم۔ اور اس نوشتہ کی جو کھلے دفتر میں لکھا ہے۔

يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ (پ۱ ع۹) — کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں۔

اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ. (بقرہ پ۳ ع۷) — جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اُسے لکھ لو۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ. (بقرہ پ۳ ع۷) — اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک لکھے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ. (بینہ پ۳۰ ع۲۳) — وہ اللہ کا رسول کہ پاک صحیفے پڑھتا ہے ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں۔

لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. (واقعہ پ۲۷ ع۱۶) — اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

احادیث اس مقصد کے اثبات میں بے شمار ہیں، اُن سب کا استقصا

جماعتوں کو یاد ہوں، پھر ان سے اسی طرح منقول ہوں۔ اس طرح بھی تواتر ثابت ہو جاتا ہے۔ (اتقان ج ا ص۷۷)

بر سبیل تنزّل یہ بھی ایک جواب ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ بہر حال ملاحدہ کا یہ الزام (کہ قرآن بتواتر منقول نہیں) ان کی کوتاہ نظری یا عنادِ محض کا نتیجہ ہے جو کسی طرح قابلِ التفات نہیں۔

قرآن کی کتابت اور تدوین اوّل

عرب کا حافظہ مشہور ہے۔ ہزارہا اشعار، قصائد، اُرجوزے، اور روایات ان کو زبانی یاد ہوتیں۔ شعری مقابلوں میں اپنی قوتِ حافظہ پر فخر کرتے۔ کسی چیز کو لکھ کر یاد کرنا اپنے لیے کسرِ شان سمجھتے۔ مگر ان سب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کا معاملہ صرف حفظ تک محدود نہ رکھا۔ بلکہ اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا۔ جتنا قرآن نازل ہوتا بحکم رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی کتابت بھی ہو جاتی، اس طرح زمانۂ رسالت ہی میں نزولِ قرآن مکمل ہونے کے ساتھ کتابتِ قرآن بھی مکمل ہو گئی۔ اور یہی وہ تدوین و کتابت ہے جو زمانۂ مابعد میں قرآنی خدمت کی اَساس اور بنیاد قرار پائی۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "جاہلیت" کے زمانے میں آشنائے کتابت کون تھا کہ ابتدائے نزول ہی سے کتابت بھی ہونے لگی، وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ایک تو تاریخ سے بے خبری، دوسری "جاہلیت" کے صحیح مفہوم سے نا آشنائی۔

لفظِ "جاہلیت" ایک خاص مفہوم رکھتا ہے جس سے ایک دور اور اس کے کردار و احوال کی تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ معنی نہیں کہ اس زمانے میں علم و فن سے کوئی آشنا ہی نہ تھا، اُس وقت بھی عرب میں کئی علوم رائج تھے، مگر وہ علمِ صحیح کی قدریں پامال کر رہے تھے۔ ان کا ماحول اخلاق و کردار کے اعتبار سے متعفن تھا۔ وہ بے حیائی

اهل الحجاز ممن رحلوا الی العراق والشام تعلموا الخط النبطی والعبری والسریانی وکتبوا به الکلام العربی، ثم لما جاء الاسلام تولد عن الخط النبطی النسخ وعن السریانی الخط الکوفی ویقال ان اول من تعلم هذا الخط هو بشر بن عبد الملک الکندی، تعلمه من الانبار وتزوج اخت ابی سفیان بن حرب بمکة وعلم هذا الخط لجماعة من القریش. کذا ذکرہ الجلال السیوطی.

سریانی سے "خط کوفی" پیدا ہوا. کہا جاتا ہے سب سے پہلے یہ خط سیکھنے والا بشر بن عبد الملک کندی ہے. جس نے انبار سے سیکھا. اور مکہ میں ابوسفیان بن حرب کی بہن سے نکاح کیا۔ اور ایک جماعتِ قریش کو یہ خط سکھا دیا ــــ جلال الدین سیوطی نے یوں ہی ذکر فرمایا ہے.

(دائرۃ معارف القرن العشرین ج ۳ ص ۷۲۲، ۷۲۳ از محمد فرید وجدی دار المعرفۃ بیروت، لبنان، طبع سوم ۱۹۷۱ء)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ فارس و روم کے ہمسایہ عرب، یمن کے بنی حمیر اسی طرح شمالِ عرب کے انباط، زمانۂ قدیم سے لکھنا جانتے تھے. اور عراق و شام کا سفر کرنے والے بعض اہلِ حجاز بھی کتابت سے آشنا تھے.

ظہور اسلام کے وقت قریش کے قریباً سترہ آدمی کتابت سے واقف تھے ان میں حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ، ابوسفیان اور معاویہ بھی شامل ہیں یوں ہی کچھ اہلِ مدینہ اور یہود تاجرین بھی لکھنا جانتے تھے. رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتابت کے فروغ پر خصوصی توجہ فرمائی. غزوۂ بدر میں جب قریش کے کچھ ایسے افراد بھی گرفتار ہوئے جو کتابت سے آشنا تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کا یہ فدیہ قبول فرمایا، کہ وہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھا دے. اس طریقِ کار سے لکھنے والوں کی ایک خاصی جماعت پیدا ہو گئی، اور عرب میں کتابت کو عام فروغ حاصل ہوا ــــ حضرت زید بن ثابت

بہت دشوار ہے۔ حدیث کے عام طلبہ سے بھی وہ مخفی نہیں۔ پھر آگے خاص کتابتِ قرآن سے متعلق احادیث آرہی ہیں۔ اس مبحث کے لئے وہی کافی ہیں۔

تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت عرب کتابت سے ناآشنا نہ تھے اگرچہ ان میں لکھنے والوں کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ مگر قرآن کی کتابت کے لیے بقدرِ کفایت افراد ضرور موجود تھے۔

"دائرۃُ معارفِ القرنِ العشرین" کے الفاظ میں کتابت کی اجمالی تاریخ یہ ہے۔

الخط عند العرب كان مجهولا قبيل ظهور الاسلام بنحو قرن، لان احوالهم الاجتماعية وما كانوا عليه من دوام الحروب والغارات صرفهم عن ذالك. ويعني بهولاء العرب عرب الحجاز الذين ظهر فيهم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. اما العرب الذين كانوا مجاورين للفرس والرومان، وبنو حِمْيَر في اليمن والانباط في شمال جزيرة العرب فقد تعلموا الخط من زمان مديد على ان بعض

عرب ظہورِ اسلام سے قریباً ایک صدی پہلے کتابت سے ناآشنا تھے کیونکہ ان کے معاشرتی احوال اور پیہم جنگوں، غارتوں میں ان کی مصروفیت ان کے لیے اس فن سے مانع رہی — ان عرب سے مراد عربِ حجاز ہیں۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور رہوا۔ ورنہ فارس وروم کے ہم سایہ عرب، یمن کے بنو حمیر اور شمالی جزیرۂ عرب کے نبطی، تو عرصۂ دراز سے آشنائے کتابت تھے اور بعض اہلِ حجاز جنہوں نے عراق وشام کا سفر کیا۔ انہوں نے بھی نبطی، عبرانی وسریانی خط سیکھ لیا تھا، اور اسی خط میں عربی کلام بھی لکھنے پھر جب اسلام آیا تو خطِ نبطی سے "خطِ نسخ"، اور

اور مختصر حالات مدارج النبوۃ میں بیان کیے ہیں۔ یہاں بھی اس کا ایک اختصار قلم بند کیا جاتا ہے۔

① حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا، بعض نے عبدرب الکعبہ بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ والد ابو قحافہ عثمان ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو سال چند ماہ بعد پیدا ہوئے۔ یہ مدت، ان کی مدتِ خلافت کے برابر ہے۔ جس سے ان کی عمر کے ترسیٹھ سال پورے ہوتے ہیں۔ ان کے خصائص و مناقب بہت ہیں۔ ۲۲ر جمادی الآخرہ ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گزار کر سہ شنبہ کی شب میں مغرب و عشا کے درمیان وصال فرمایا[1]

② عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عام الفیل کے تیرہ سال بعد، یکشنبہ کی رات، پہلی محرم کو پیدا ہوئے ان کے اسلام لانے سے حق و باطل میں فرق و امتیاز اور جدائی کا اعلان ہو گیا اس لیے فاروق لقب ہوا۔ دس سال چھ ماہ خلافت رہی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے مجوسی غلام ابو لؤلو کے ہاتھ ۲۶ر ذوالحجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کو زخم کاری لگا۔ جس کے تیسرے دن شہادت پائی۔ پہلی محرم ۲۴ھ یکشنبہ کے دن مدفون ہوئے۔

③ عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر علی اور زید بن حارثہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ مدتِ خلافت بارہ سال ہے۔ ۱۸ر ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن شہادت پائی۔ شنبہ کی رات میں مغرب و عشا کے درمیان مدفون ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر بیاسی سال تھی۔

---

[1] اِکمال فی اسماءِ الرجال۔ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ الخطیب۔ بخاری کتاب الجنائز ج ۱ ص ۱۸۶۔

نے بھی اسی طرح کتابت سیکھی تھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے سریانی زبان بھی سیکھی۔

بہرحال یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ عرب اور خصوصاً مسلمانوں میں کتابت سے آشنا افراد ضرور موجود تھے۔ جن کے ذریعہ عہدِ رسالت میں قرآن کی کتابت ہوتی رہی۔

کاتبانِ بارگاہِ رسالت

رجال و سیر کی کتابوں میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتبوں کے نام ملتے ہیں، مگر سب کے بارے میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ کس نے کیا لکھا۔ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتبانِ وحی میں ہیں۔ زید بن ثابت سے پہلے، اور ان کے ساتھ بھی یہ وحی لکھا کرتے۔ البتہ زید بن ثابت صحابہ میں سب سے زیادہ کتابتِ وحی کا کام کرنے والے ہیں (گویا یہی اس کے لیے مقرر تھے) محمد بن سعد نے واقدی کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت ابی بن کعب سب سے پہلے کاتبِ وحی ہیں۔ یہ نہ ہوتے تو حضور زید بن ثابت کو بلاتے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ دونوں حضرات، وحی لکھا کرتے۔ اس کے علاوہ خطوط، فیصلے وغیرہ بھی لکھتے۔

(کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ ص ۲۷ - ذکر ابی بن کعب، للحافظ ابی عمر یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر النمری القرطبی - ۳۶۸ھ ۴۶۳ھ)۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے کاتبانِ رسول کے نام

بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی زوجہ تھیں۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ جس کی پاداش میں ان کے چچا نے انہیں چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ مگر یہ اسلام پر قائم رہے۔ ہجرت حبشہ کی، بدر اور دیگر غزوات و مشاہد میں شریک رہے۔ روز احد حضور کے ساتھ ثابت رہنے والوں میں ہیں۔ یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تلوار کھینچی۔

روز جمل ۳۶ھ میں چونسٹھ سال کی عمر پاکر ابن جرموز کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئے۔ پہلے وادی السباع میں مدفون ہوئے پھر وہاں سے بصرہ میں منتقل کیے گئے۔

⑦ سعد بن ابی وقاص مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عشرہ مبشرہ میں سب کے بعد وفات پانے والے ہیں۔ کبار صحابہ و تابعین نے ان سے روایت کی۔ دعاء سرکار کی بدولت مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر ستر ۱۷ہ یا انیس ۱۹ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تیر اندازی کی۔ بحکم فاروق اعظم شہر کوفہ تعمیر کیا۔ اور دور فاروقی میں اس کے والی رہے۔

مدینہ منورہ سے دس میل دوری پر واقع عقیق نامی موضع میں اپنا دولت کدہ تعمیر کیا تھا۔ وہیں ۵۵ھ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے اس وقت ان کی عمر تہتر ۷۳ سال سے زیادہ تھی۔

⑧ عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صدیق اکبر کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سفر ہجرت میں آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق کے ساتھ رہے۔ سریۂ بیر معونہ میں چالیس سال کی عمر پاکر شہید ہوئے۔

⑨ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انصار کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں

۴ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جاہلیت و اسلام دونوں زمانوں میں ان کا نام علی رہا۔ علامہ ابن حجر اصابہ میں اکثر اہل علم کا قول ذکر کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ استیعاب میں علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے اپنا اسلام فوراً ظاہر کر دیا۔ مگر حضرت علی نے اپنے باپ کی وجہ سے چھپایا۔ اسلام لانے کے وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ ان کی خلافت چار سال، سات ماہ چھ یا بارہ روز رہی ــــ ۱۸ ر رمضان ۴۰ھ صبح جمعہ کو ابن ملجم مرادی نے زخم لگایا۔ جس سے تین شب بعد ۲۱ ر رمضان کو ترسیٹھ سال کی عمر میں شہادت نصیب ہوئی۔[۱]

۵ طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان

عثمان حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ ہیں۔ عبید اللہ اور ابو بکر عبد اللہ، حضرت ابو قحافہ عثمان کے فرزند ہیں۔ اور عبید اللہ کے فرزند حضرت طلحہ ہیں۔ تو یہ حضرت ابوبکر صدیق کے بھتیجے ہوئے۔ یہ اُن آٹھ حضرات میں سے ہیں۔ جنہوں نے قبول اسلام میں سبقت کی۔ اور اُن پانچ اصحابِ عظام سے جو حضرت ابوبکر صدیق کے دست پاک پر اسلام لائے۔ عشرہ مبشرہ سے بھی ہیں۔ جنگ احد میں ان کا کارنامہ حضرت ابوبکر تک کے لیے قابل رشک رہا۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں، ۲۰ ر جمادی الآخرہ ۳۶ھ پنجشنبہ کے دن، جنگ جمل میں، مروان بن الحکم کے ہاتھوں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔

۶ زبیر بن العوام بن خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی ماں، ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی پھوپھی، اور اسماء

---

[۱] اکمال فی اسماء الرجال للخطیب البغدادی۔

انہیں "حنظلۃ الکاتب" کہا جاتا. حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائلِ عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

⑬ ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں. عام الفیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے، زمانۂ جاہلیت میں سردارانِ قریش سے تھے رؤسائے قریش کا علَم ان ہی کے ہاتھوں رہا۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے. غزوۂ حنین میں شریک ہوئے. اٹھاسی سال کی عمر پاکر ۳۲ھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی بقیع میں مدفون ہوئے۔

⑭ یزید بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما

فتح مکہ کے دن اسلام لائے، حضرت ابوسفیان کے فرزندوں میں سب سے بہتر شمار ہوتے ہیں. انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقاتِ بنی فراس کی وصولی کا عامل بنایا. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ۱۲ھ میں انہیں عامل مقرر کیا. حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں فلسطین اور اس کے اطراف میں جانے والی فوجوں کا والی بنایا. اور حضرت معاذ بن جبل کی وفات کے بعد انہیں شام کا بھی والی بنایا. ۱۸ھ میں وفات پائی۔

⑮ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما

یہ بھی کاتبانِ وحی سے ہیں. بعض کا قول ہے کہ صرف خطوط اور منشورات لکھا کرتے تھے. عہد فاروقی میں اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کے بعد شام کے حاکم ہوئے اور اس وقت سے وفات تک والیِ شام رہے، ۴۱ھ میں جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں خلافت سپرد کردی، تو ان کی حکومت مزید مستحکم ہوگئی. اٹھہتر سال کی عمر پاکر ۸ رجب ۶۰ھ میں وصال فرمایا۔

خطیبِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے. ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے قریش کے جواب میں خطبہ دیا تو اپنی فصاحت وبلاغت اور کمالِ خطابت کے سامنے قریش کو ساکت و عاجز کر دیا۔ ۱۱ھ عہد صدیقی کی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

⑩ خالد بن سعید بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قدیم الاسلام ہیں بعض کا قول ہے کہ صدیق اکبر کے بعد سب سے پہلے قبولِ اسلام کیا. بعض تیسرے بعض چوتھے بعض پانچویں مسلمان بتاتے ہیں. ہجرت حبشہ میں یہ بھی تھے. پھر غزوۂ خیبر میں حضور کے پاس حاضر ہوئے. اور بعدِ خیبر کے غزوات ومشاہد میں شریک رہے. یوم مرج الصفّر یا یوم اجنادین میں وفات پائی بلہ

⑪ ابان بن سعید بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صلح حدیبیہ اور غزوۂ خیبر کے درمیان مسلمان ہوئے. رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں سریۂ نجد میں بھیجا. اور بحرین کا عامل بنایا. ارباب سیر نے خالد و ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں بھائیوں کو کاتبین رسول سے شمار کیا ہے۔

ان کے سال وفات میں اختلاف ہے. (۱) یوم مرج الصفّر ۱۴ھ (۲) معرکۂ اجنادین جمادی الاولیٰ ۱۲ھ یا ۱۳ھ. (۳) ۲۹ھ (۴) ۲۷ھ خلافت عثمان

⑫ حنظلہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کتابت وحی کی خدمت انجام دینے کے باعث

لہ اصابہ ج ۱ ص ۴۰۷۔

لہ اسد الغابہ لابن اثیر علی بن محمد جزری ۵۵۵/۶۳۰ھ ج ۱ ص ۴۷۔

لہ اصابہ لابن حجر العسقلانی ۷۷۳ھ/۸۵۲ھ ج ۱ ص ۱۴۔

سے کرانے کی حدیث میں بھی ان کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں قاصد بنا کر مصر بھیجنے کی بھی روایت ہے جب سرکار نے وصال فرمایا تو شرجیل مصر ہی میں تھے۔ حضور سے، اور حضرت عبادہ بن صامت سے انہوں نے روایت کی ہے۔ ان سے ان کے لڑکے ربیعہ نے روایت کی ہے ان کی کتابت کا کوئی تذکرہ معلوم نہ ہوا۔ یہی ہو سکتا ہے کہ مصر پیام رسانی کے وقت حضور نے ان سے کتابت کرائی ہو۔

⑱ علاء حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مشہور صحابی ہیں۔ بحرین پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عامل تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی انہیں وہاں کا عامل برقرار رکھا۔ یہاں تک کہ ۱۴ھ میں وفات پائی۔ قبیلہ حضر موت سے تھے، اس لیے "حضرمی" نسبت ہے۔

⑲ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کی ماں لبابہ صغریٰ، حضرت عباس بن عبدالمطلب کی زوجہ ام الفضل لبابہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تھیں۔ ۸ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد یا غزوۂ موتہ سے دو ماہ قبل اسلام لائے۔ مختلف اسلامی غزوات میں ان کے نمایاں کارنامے ہیں۔ ۲۱ھ عہد فاروقی میں وصال ہوا۔

⑳ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحابۂ کرام میں یہ پہلے شخص ہیں جن کا نام محمد رکھا گیا۔ قدیم الاسلام ہیں۔ مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ تبوک کے سوا تمام غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے۔ تبوک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ جمل اور صفین کے نزاعات سے کنارہ کش اور گوشہ نشین رہے۔ ۴۳ھ یا ۴۶ھ میں ستہتر برس کی عمر پا کر وصال فرمایا۔

ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تہمد، چادر، کرتا، کچھ ناخن اور موہائے مبارک تھے۔ جن کے متعلق وقتِ وفات وصیت کر گئے کہ مجھے حضور کے مبارک کرتے، چادر اور تہمد میں کفن دیا جائے، مقدس ناخنوں اور بالوں سے میرا منہ، ناک اور اعضائے سجدہ بھر دیے جائیں۔ اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دیا جائے۔

⑯ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ ان کے صاحبزادے خارجہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے متعلق بتایا کہ مجھے سرکار کی تشریف آوری کے وقت، ان کی خدمت میں حاضر کر کے عرض کیا گیا۔ یہ بنی نجار کا ایک فرزند ہے جس نے قرآن کی سترہ سورتیں سیکھ لی ہیں اس کے بعد میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سنایا تو انہوں نے میری قرارت پسند کی۔ اور فرمایا۔ زید! یہود کا خط اور کتابت سیکھ لو۔ اس لیے کہ یہود کی طرف سے کتاب کے معاملے میں اطمینان نہیں۔ اس میں زیادتی و کمی کر دیا کرتے ہیں۔ تم سُریانی زبان سیکھ لو فرماتے ہیں میں نے سیکھنا شروع کیا۔ اور نصف ماہ نہ گزرا کہ ماہر ہو گیا۔ پھر میں لکھا کرتا۔ اور یہود سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراسلت ہوتی۔

لوگ انہیں "کاتب رسول" صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا کرتے، اس لیے کہ زیادہ تر وحی کی کتابت ان ہی کے سپرد ہوتی۔ قضا، فتویٰ، فرائض اور فقہ کے اکابر علما سے ہیں۔ عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں تدوین قرآن کی خدمت ان ہی کے سپرد تھی مدینہ کے اندر ۴۵ھ میں وفات پائی۔

⑰ شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حسنہ ان کی ماں کا نام ہے والد کا نام عبد اللہ ہے عبد الرحمٰن بن حسنہ کے بھائی ہیں۔ امیر صحابی ہیں۔ ہجرت حبشہ سے مشرف ہوئے ابن ماجہ نے حضور سے ان کی ایک حدیث نماز میں ترک طمانیت پر وعید سے متعلق روایت کی ہے۔ نجاشی کے ام حبیبہ کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دورِ صدیقی کی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۲۵) جہم بن سعد اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قضاعی اور قرطبی نے انہیں بھی کاتبان رسول سے شمار کیا ہے لکھا ہے کہ یہ اور حضرت زبیر اموال صدقہ لکھا کرتے۔

(۲۶) جہیم بن الصلت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

استیعاب میں ہے کہ فتح خیبر کے سال اسلام لائے۔ اصابہ میں ہے کہ کاتبِ رسول تھے مغازی ابن اسحٰق میں ہے کہ جہیم اور زبیر اموال صدقہ لکھا کرتے تھے۔

(۲۷) ارقم بن ابی ارقم مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ ساتویں مسلمان ہیں بڑی صحابی، اور مہاجرین اولین سے بھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش سے روپوش ہوکر کوہ صفا پر واقع ان ہی کے گھر میں مقیم تھے۔ وہیں سے لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے۔ یہاں تک کہ فاروق اعظم کے اسلام لانے سے چالیس کی تعداد پوری ہوگئی۔ اور سرکار باہر تشریف لائے۔

انہوں نے مدینہ کے اندر، اسّی سال سے زائد عمر پاکر ۵۵ھ میں جان، جان آفریں کے سپرد کی۔

(۲۸) عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

یہ وہ بزرگ صحابی ہیں جنہوں نے ۱ھ میں، اذان خواب میں دیکھی، اور بحکم رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت بلال کو سکھائی۔ اور نماز کے لیے اذان کا طریقۂ اعلان جاری ہوا۔ بیعت عقبہ، بدر اور دوسرے غزوات و مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے ۳۲ھ میں چونسٹھ سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔

(۲۱) عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سابقین اوّلین سے ہیں۔ بیعت عقبہ بدر، احد، خندق اور اپنی زندگی کے تمام غزوات ومشاہد میں شریک ہوئے۔ ۸ھ جنگ موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ یہ دربارِ رسالت کے ان شعرا سے ہیں جنہوں نے اپنے اشعار سے ناموس رسول کی حمایت، اور کفار کی مذمت کی۔ سرکار کی مدح میں ان کا یہ شعر بہت خوب ہے۔

لولم تکن فیہ اٰیۃ بینۃ
کانت بدیھتہ بینتك بالخبر

(۲۲) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مشہور صحابی ہیں۔ غزوۂ خندق کے سال اسلام لائے۔ بصرہ پھر کوفہ کے والی رہے۔ وہیں ۵۰ھ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں وفات پائی۔

(۲۳) عمرو بن العاص بن وائل قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸ھ میں اسلام لائے۔ ایک قول یہ ہے کہ ۵ھ میں مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عمان کا والی بنایا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مصر فتح کیا۔ اور والی مصر رہے۔ حضرت عثمان کے اواخر عہد خلافت میں معزول رہنے کے بعد، پھر حضرت معاویہ کے زمانے میں والی مصر ہوئے وہیں ۴۳ھ میں نوے سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔

(۲۴) عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ عبداللہ بن ابی سردار منافقین کے فرزند ہیں۔ اپنے باپ کے برخلاف مسلمان اور عاشق رسول تھے۔ بدر اور تمام غزوات ومشاہد میں شریک رہے۔

معتصم کے لیے مرتب کردہ اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملات و مداینات لکھا کرتے۔

(۲۴) عبداللہ بن ابی سرح سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابتداءً کتابتِ وحی کی، پھر مرتد ہو کر کفار کا ساتھ اختیار کیا، پھر توبہ کی، اور حضرت عثمان کی سفارش پر حضور نے فتح مکہ کے سال معافی دی، فتح مصر میں شریک رہے۔ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں وفات پائی۔ ابن مندہ نے ۵۹ھ میں وفات بتائی ہے۔

استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن سعد نے توبہ کی اسلام لائے اور ان کا اسلام خوب و بہتر ہوا۔ اس کے بعد کوئی قابل نکیر چیز سرزد نہ ہوئی۔ قریش کے نجبا و عقلا سے تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ رملہ کی طرف آئے۔ اور وقت صبح دعا کی۔ خداوندا! میری آخری عمر نمازِ صبح میں صرف ہو۔ پھر وضو کیا۔ نماز ادا کی۔ داہنی طرف سلام پھیرا، بائیں طرف سلام پھیرنا چاہا کہ روح قبض ہوگئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۵) ابوسلمہ بن عبدالاسد قرشی رضی اللہ تعالےٰ عنہ

ان کا نام عبداللہ بن عبدالاسد ہے۔ کنیت سے مشہور ہوئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا عقد ان ہی سے ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رضاعی اخوت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ سابقین اولین سے تھے دس آدمیوں کے بعد اسلام لائے۔ بعد اُحد ۴ھ میں وفات پائی۔ ہجرت حبشہ سے بھی مشرف ہوئے اپنی زوجہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ، مدینہ ہجرت کرنے والے سب سے پہلے شخص ہیں۔ ان کی جانکنی کے وقت سرکار نے یہ دعا کی۔

اللّٰھم اغفر لابی سلمۃ	خداوندا! ابوسلمہ کی مغفرت فرما۔ اور
وارفع درجتہ فی المھدیین واخلفہ	ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا درجہ بلند

(۲۹) علاء بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اصابہ میں ہے کہ مستغفری نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اور تاریخ معتصم بن بن صادح میں ہے کہ علاء اور ارقم معاہدے اور معاملات لکھا کرتے تھے۔

(۳۰) ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کا نام خالد بن زید ہے۔ بیعت عقبہ، بدر اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۵۰ھ یا ۵۱ھ حضرت معاویہ کے زمانۂ حکومت میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ سرحدِ قسطنطنیہ کے قریب، ان کی قبرِ مبارک، زیارت گاہِ خلائق ہے۔

(۳۱) حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے صاحبِ اسرار ہیں۔ مسلم شریف میں ان کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے تمام واقعات وحوادث اور فتنے بتا دیے۔ ان ہی کا قول ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ ہر قبیلہ کے سردار اس کے منافقین نہ ہو جائیں۔ ۳۵ھ میں شہادت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار شب بعد، مدائن میں وفات پائی۔ ان کی قبر مبارک وہیں ہے۔

(۳۲) بُریدہ ابن الحصیب مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بدر سے پہلے اسلام لائے مگر بدر میں نہ تھے۔ حدیبیہ اور بیعت الرضوان میں حاضر رہے۔ مدینہ کے باشندے تھے۔ وہاں سے بصرہ منتقل ہو گئے۔ پھر جنگ میں خراسان جانا ہوا۔ وہیں یزید بن امیر معاویہ کے زمانے ۶۲ھ میں بمقام مرو وفات پائی۔

(۳۳) حُصین بن نُمیر بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابو علی مسکویہ نے اپنی کتاب تجارب الامم میں حُصین بن نُمیر کا نام کاتبینِ رسول میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عباس بن محمد نے

قاری تھے بحکم الٰہی حضور نے ان کو قرآن سنایا خط کے آخر میں "کتبہ فلان بن فلان" سب سے پہلے لکھنے والے یہی ہیں خلافت عثمانی ۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۴۰) عبداللہ بن ارقم قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فتح مکہ کے سال اسلام لائے۔ ان کی امانتداری پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا اعتماد تھا کہ انہیں بادشاہوں کے نام خطوط لکھنے کا حکم دیتے اور یہ نہ فرماتے کہ کیا لکھیں۔ اور ان کے لکھنے کے بعد بغیر پڑھے مہر کر دیتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کاتب رہے حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بلا اجرت ولایت بیت المال کی خدمت انجام دی۔ خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

(۴۱) معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سابقین اولین سے ہیں حبشہ کی ہجرت ثانیہ سے مشرف ہوئے اور وہیں مقیم رہے۔ پھر خیبر میں یا اس سے پہلے مدینہ میں سرکار کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو مدینہ میں بیت المال کا والی بنایا۔ آخر خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۳۰ تا ۵۶۰ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

کتابت وحی

قرآن حسب ضرورت و مصلحت نازل ہوتا، کبھی پانچ آیات کبھی دس کبھی کم و بیش، قصۂ اِفک میں یکبارگی دس آیات کا نزول، اسی طرح سورہ مومنون کی ابتدائی دس آیات کا ایک ساتھ نزول صحیح روایات میں مذکور ہے۔ یوں ہی تنہا "غیر اولی الضرر" (پ۵ ع ۱۰ آیت ۹۵) کا نزول روایت صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور یہ جزو آیت ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ۔ (الآیہ، پ۱۰ ع ۱۰ آیت ۲۸) کا نزول بھی اول آیت کے نزول کے بعد ہوا

فی عقبہ فی الغابرین، واغفرلنا ولہ یارب العلمین وافسح لہ فی قبرہ ونورلہ۔

(مسلم شریف ج ا ص ۳۰۱۔ کتاب الجنائز)

فرما۔ اس کے پسماندگان میں اس کا بہتر بدل مقرر فرما اے رب العلمین! ہمیں اور اسے اپنی رحمت سے چھپالے، اور اس کے لیے اس کی قبر میں کشادگی وروشنی کردے۔

(۳۶) حُویطب بن عبد العزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فتح مکہ کے وقت اسلام لانے والوں میں سے ہیں اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ حنین اور طائف میں حاضر ہوئے۔ ان کا اسلام خوب و بہتر ہوا۔ امام بخاری نے تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ وقت وفات ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(۳۷) حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

استیعاب میں ابن عقبہ سے منقول ہے کہ یہ حاضرین بدر سے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے حبشہ کو دو ہجرتیں کیں۔ زہری نے بالجزم کہا ہے کہ حبشہ سب سے پہلے ہجرت کرنے والے یہی ہیں۔

(۳۸) ابن خطل

پہلے اس کا نام عبد العزیٰ تھا، فتح مکہ سے پہلے مدینہ آکر مسلمان ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا نام عبد اللہ رکھا۔ اور ایک قبیلہ کی طرف وصولی زکوٰۃ کے لئے بھیجا۔ یہ مرتد ہو گیا۔ اور صدقہ کے جانور لے کر مکہ چلا گیا قریش سے کہا میں نے تمہارے دین سے بہتر کوئی دین نہ پایا۔ بحکم سرور کائنات، فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا قتل کیا گیا۔ ہو سکتا ہے اس نے قبل ارتداد کتابت کی ہو مگر کہیں اس کی صراحت نہیں ملتی۔

(۳۹) ابی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ

جلیل القدر صحابی ہیں۔ سرکار کے زمانے میں حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ مدینہ میں سب سے پہلے کاتب وحی یہی ہیں۔ فقہائے صحابہ میں ان کا بھی شمار ہے۔ بہترین

بمحدثة فانه صلى الله تعالىٰ علیه وسلم كان يامر بكتابته ولكنه كان مفرقا فى الرقاع والاكتاف والعسب۔

(اتقان ج ۱ نوع ۱۸ ص ۶۰)

کے بعد کی پیدا شدہ چیز نہیں۔ بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کی کتابت کراتے تھے لیکن اس وقت قرآن چرمی پارچوں (اونٹ کے مونڈھوں کی) ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا منتشر تھا۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں جتنا قرآن نازل ہوتا وہ قید تحریر میں آجاتا۔ اس طرح سرکار کے زمانے ہی میں پورا قرآن لکھا جا چکا تھا۔ مگر ترتیب آیات وسور کے ساتھ یکجا نہ تھا۔

فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، اتقان میں با لفاظ متقارب ہے۔

قد كان القرآن كله كتب فى عهد رسول الله صلے الله تعالىٰ عليه وسلم لكن غير مجموع فى موضع واحد ولا مرتب السور۔

عہد رسالت میں پورا قرآن لکھا جا چکا تھا۔ لیکن یکجا اور سورتوں کی باہمی ترتیب کے ساتھ نہ تھا۔

بہر حال یہ دعویٰ کہ قرآن عہد رسالت کے بعد لکھا گیا ہرگز صحیح نہیں، بلکہ پورے قرآن کی کتابت عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی۔ اور اسی کتابت کی بنیاد پر عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں قرآنی خدمت انجام دی گئی۔

فرق یہ ہے کہ عہد رسالت میں قرآن علیحدہ علیحدہ اوراق میں تھا۔ عہد صدیقی میں علیحدہ علیحدہ صحیفوں میں الگ الگ سورتیں لکھی گئیں۔ اور عہد عثمانی میں ایک مصحف کے اندر تمام آیات وسُوَر مرتب ہوئیں۔ مگر اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ زمانۂ نبوی میں اگر کتابۃً اوراق میں قرآن مرتب نہ تھا۔ تو حفظاً سینوں میں بھی مرتب نہ تھا۔

آگے معلوم ہوگا کہ قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو ترتیب عہدِ صدیقی اور عہد عثمانی میں صحف ومصاحف کے اندر قائم ہوئی۔ یہ وہی ترتیب

یہ بھی جزو آیت ہے۔ (اتقان ج ۱ نوع ۱۶ ص ۴۲-۴۳)

بہر حال جتنا بھی قرآن نازل ہوتا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی کتابت کرا لیتے ــــ امام احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابو عبید، نحاس، ابن حبان، ابو نعیم، ابن مردویہ راوی ہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنزل علیہ السور ذوات العدد، فکان اذا نزل علیہ الشئ دعا بعض من کان یکتب فیقول ضعوا ھٰؤلاء الآیات فی السورۃ التی یذکر فیہا کذا وکذا۔	حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوتیں توجب ان پر کچھ نازل ہوتا تو کسی لکھنے والے کو بلاکر فرماتے یہ آیات اس سورہ میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱)

حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کرکے فرمایا ھذا حدیث صحیح الاسناد۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مستدرک ج ۲ ص ۲۲۱ و ۲۳۰)

دوسری حدیث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ جسے حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح بتایا ہے۔

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع۔	ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس قرآن چرمی پارچوں سے جمع کرتے۔

(مستدرک ج ۲ ص ۲۳۰، جامع ترمذی)

عارف باللہ حضرت حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ) فرماتے ہیں۔

کتابۃ القرآن لیست	قرآن کی کتابت، زمانہ رسول

اَدِیم :۔ عام طور سے اس کا ترجمہ چمڑا کیا جاتا ہے۔ مگر "ادیم" ہر چمڑے کو نہیں کہتے۔ بلکہ یہ وہ چمڑا ہے جو دباغت کے بعد باریک کھالوں سے بنایا جاتا۔ اور عرب جیسے گوشت خور ملک میں بکثرت دستیابی کے باعث آسانی و فراوانی کے ساتھ کتابت کے کام میں لایا جاتا۔ اس کی مثال ہمارے زمانے کے پارچمنٹ (PARCHMENT) کی ہے۔

لخاف : لَخفہ کی جمع ہے، جس کا معنی پتھر بتایا جاتا ہے۔ مگر اس کی نوعیت عام پتھروں کی نہ تھی۔ بلکہ یہ سفید رنگ کی چوڑی چوڑی تختیاں ہوتیں۔ جو عمدگی سے بنتیں۔ اور کتابت میں استعمال ہوتیں۔ جیسے موجودہ زمانے میں لکھنے کا سلیٹ ہوتا ہے۔ فرق صرف رنگ کا ہے۔

کتف :۔ اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی وہ ہڈی، جو خاص انداز سے تراش کر نکالنے سے طشتری کی طرح بن جاتی ——— یہ بھی اپنی صفائی و عمدگی کے باعث مصرف کتابت کے لئے موزوں ہوتی۔

عَسِیب :۔ کھجور کی شاخوں میں تنے سے متصل کشادہ حصّے کو کہتے ہیں جسے شاخ سے جدا کر کے خشک کر لیتے اور اس کے ٹکڑے لکھنے کے کام میں لاتے۔

اَقتاب :۔ اونٹ کے کجاؤں کے جوڑے چوڑے، پتلے پتلے تختوں کو کہتے ہیں۔ جو کثرتِ استعمال کے باعث صاف اور چکنے ہو جانے کی وجہ سے بآسانی مصرفِ کتابت میں لائے جاتے۔

رِقاع :۔ چرمی پارچوں۔ اور کاغذ یا پتے کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کتابت کے لیے استعمال ہوتے۔ (اتقان وحاشیۂ بخاری وغیرہ)

عہدِ رسالت میں کتابۃً ترتیبِ قرآن کیوں نہ ہوئی؟

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ عہد رسالت میں سورتوں اور آیات میں کتابۃً ترتیب کیوں نہ ہوئی؟ ——— اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس وقت نزول قرآن کی

ہے جو بعہد رسالت سینۂ حفاظ میں تھی۔ اور جسے صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم و توقیف سے حاصل کیا تھا۔

اشیاے کتابت

رہا یہ اعتراض کہ اس زمانے میں کاغذ دستیاب نہ تھا تو پھر کتابت کس چیز پر ہوتی ؟ــ میں کہوں گا یہ اعتراض بھی تاریخ وحدیث سے بے خبری کی پیداوار ہے ـ اس وقت عرب میں کاغذ کی صنعت اور درآمد نہ تھی تو کیا اس سے یہ لازم ہوگا کہ ایسی کوئی دوسری چیز بھی نہ تھی جس پر کتابت ہو سکے ؟

یہ ثابت ہو چکا کہ اس زمانے میں کتابت ہوتی تھی۔ کتابیں بھی تھیں۔ خیبر، مدینہ اور دیگر مقامات میں یہود کے بہت سے اجتماعی وانفرادی کتب خانے تھے۔ تو اگر کوئی سامان کتابت نہ تھا تو وہ ساری کتابیں اور تحریریں معرض وجود میں کیسے آئیں۔؟ قرآن ہی میں یہود سے متعلق فرمایا گیا۔

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔ گدھے کی طرح بڑی بڑی کتابیں لادے ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں کتابت اور کتابیں تھیں تو اشیاے کتابت بھی ضرور تھیں ــ اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کی کتابت کس چیز پر ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں جن چیزوں کے نام احادیث سے دریافت ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ادیم ، لخاف ، کتف ، اقتاب ، رقاع ۔

یہ سب کیا چیزیں تھیں ؟ اس کی قدرے وضاحت ضروری ہے جس سے معلوم ہوگا کہ یہ اشیا کتابت کے لیے بہت موزوں اور کاغذ کی بہ نسبت حوادث زمانہ کے مقابلے میں زیادہ پائدار تھیں یہی وجہ ہے کہ عہد صدیقی میں جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "تدوین ثانی" شروع کی تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرائی ہوئی سورتیں اور آیتیں ان کو بعینہٖ مل گئیں جن میں بعض تحریروں پر یقیناً تیئیس ۲۳ برس کی مدت گزر چکی تھی۔

ترتیب نزول، ترتیب قرأت سے جدا کیوں؟

یہاں طبعی طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ پھر قرآن، اصل ترتیب کے مطابق ہی، کیوں نہ نازل ہوا۔ اشارۃً اس کا جواب بار ہا گزر چکا کہ نزول قرآن تدریجًا، اور ضرورت و مصلحت کے مطابق ہوتا۔ حکمتِ الٰہیہ مقتضی تھی کہ مثلاً پہلے اسلام و ایمان کے اصول و مبادی، اور کفر و شرک کی خرابیاں بیان ہوں۔ تاکہ اولاً توحید و رسالت، اور ایمان و عقائد دلوں میں راسخ ہو جائیں۔ پھر آیاتِ احکام کا نزول ہو۔ نفاذِ احکام میں بھی یہ حکمت ملحوظ رکھی گئی کہ اگر تمام احکامِ تکلیفیہ ایک ساتھ نافذ کیے گئے تو عام لوگوں پر گراں ہوں گے۔ ان کے حقائق و تفصیلات اور مصالح و اسرار کا سمجھنا، یا درکھنا، ان میں رسوخ حاصل کرنا بھی دشوار ہوگا اس لیے آیاتِ احکام بھی تدریجًا نازل ہوئیں۔

ہاں جب لاکھوں صحابہ کی ایک عظیم جماعت، عقائد اور احکام، اصول اور فروع، علوم اور اعمال میں راسخ ہو کر اگلے ادوار کے لیے نمونہ بن چکی، اور دین کی تکمیل ہو گئی تو انہیں دیکھ کر اور ان سے سیکھ کر بعد والوں کے لیے ایمان و عقائد میں صلابت، احکام و مسائل میں کمال، اور اعمال و علوم میں ثبات و رسوخ کی راہ کھل گئی۔ اور پورے قرآن کو اس کی اصل ترتیب کے ساتھ سیکھنا، پڑھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ان کے لیے آسان ہو گیا۔

قرآن و حدیث اور تاریخ و سِیَر کی کتابیں شاہد ہیں کہ عہدِ رسالت کے اواخر، اور زمانۂ خلفاء و تابعین میں جو لوگ بھی داخل اسلام ہوتے، ان پر جملہ احکامِ دین کی پابندی ابتداءً ہی لازم ہوتی، اور قبولِ اسلام کے ساتھ ہی وہ عقائد و اصول کی طرح تمام احکامِ تکلیفیہ کے لئے بھی خود کو آمادہ و تیار پاتے۔

برخلاف اس کے اوائلِ نزول اور ابتدائے اسلام میں لوگوں کے لیے صرف قبولِ اسلام اور کلمۂ شہادت کی تصدیق، انتہائی مشکل اور دشوار تھی۔ آبائی

تکمیل ہی نہ ہوئی تھی تو ترتیب کیوں کر ہوتی۔ اور جب نزول کی تکمیل ہوئی، تو اتنی مدت باقی نہ تھی کہ سب کی یکجا ترتیب ہو سکے۔

سب سے آخر میں وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (بقرہ پ۳ ع۶) نازل ہوئی جس کے بعد باختلاف روایات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین ساعات یا سات ایام یا نو راتیں، یا اکیس روز دنیا میں تشریف فرما رہے۔ ان ہی اوقات و ایام میں مرض وفات بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مدت اور یہ حالت اس عظیم کام کے لیئے کافی نہ تھی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بعض آیات منسوخ بھی ہوتیں اور جب نسخ کا امکان تھا تو ترتیب کیوں کر ہوتی۔ یوں ہی نزولِ قرآن اصل ترتیبِ آیات و سُوَر کے مطابق نہ ہوتا۔ بلکہ حسبِ ضرورت و مصلحت مختلف مقامات کی متعدد آیات، یا ایک آیت، یا سورت، یا جز آیت نازل ہوتی رہتی، پھر بالترتیب ان سب کی کتابت کیسے ہوتی؟ کسی سورہ میں پہلے کی آیات بعد میں، اور بعد کی پہلے نازل ہوتیں۔ یہی حال سورتوں کے نزول کا ہے۔ اب اگر نزول کے مطابق یکجا کتابت ہوتی جاتی تو ایک آیت کہیں، اور اس سے متصل دوسری آیت کہیں، یا آدھی آیت ایک جگہ، اور آدھی دوسری جگہ، یا اکثر آیت کسی مقام پر اور اس کا ایک جز دوسرے مقام پر ملتا۔ نہ آیات کی تعیین ہو پاتی نہ ان کے معانی و احکام کی۔

اسی طرح جملہ سورتوں میں امتیاز قائم نہ ہوتا۔ ایک سورہ میں دوسری سورہ کی آیات، اور دوسری میں پہلی یا کسی اور سورہ کی آیات آجاتیں۔ جو سورہ پوری ایک ساتھ نازل ہوتی وہ تو متعین ہو جاتی، اور باقی سورتیں متعین ہی نہ ہوتیں۔ اس لئے نزول قرآن کے ساتھ صحیفہ یا مصحف کی شکل میں ترتیبِ قرآن کا امکان ہی نہ تھا۔

قرآن کی تدوین ثانی

اور

عہدِ صدیقی کی قرآنی خدمت

یہ بیان گزر چکا کہ عہدِ رسالت میں پورے قرآن کی کتابت ہو چکی تھی مگر اس وقت تک آیات قرآنیہ چرمی پارچوں، سنگی تختیوں اور دوسری چیزوں میں منتشر اور غیر مرتب تھیں مرتب اور یکجا اگر تھیں تو حفاظ کے سینوں میں۔ مگر مسلمان ایک ایسے معرکے سے دوچار ہوئے کہ قرآن کی یکجا کتابت ناگزیر ہو گئی۔

تاریخ دانوں کو معلوم ہے کہ مسیلمۂ کذاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں دعوائے نبوت کر چکا تھا۔ وفاتِ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد جب بہت سے قبائلِ عرب اسلام سے منحرف ہوئے تو مسیلمہ بھی زور پکڑ گیا اس کے شر و فتنہ کی مدافعت کے لیے ۱۱ھ میں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں کثیر جماعتِ صحابہ پر مشتمل ایک فوج بھیجی. جس نے مسیلمہ اور اس کے حامیوں سے سخت معرکہ آرائی کی۔ مسیلمہ خائب و خاسر ہوا اور قتل کیا گیا. تاریخ میں یہ معرکہ جنگِ یمامہ کے نام سے مشہور ہے. اس جنگ میں قریباً بارہ سو صحابہ کرام شہید ہوئے عینی و مرقاۃ میں ہے کہ صرف حفاظ شہدا کی تعداد سات سو تک تھی۔ یہ تعداد اس زمانے کے لحاظ سے کچھ بعید از قیاس نہیں کیونکہ اس وقت صحابہ کی تعداد تقریباً سوا لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ امورِ خیر میں ان کے معروف جذبۂ مسابقت، اور حفظ قرآن کی ضرورت، فضیلت اور اہمیت کے پیش نظر اس دور میں ہزارہا ایسے افراد کا پیدا ہو جانا جنہیں پورا یا اکثر قرآن یاد ہو. کوئی بعید نہیں. ان حالات

دین کا بطلان قلب میں راسخ ہو گیا تو بھی قبول اسلام کے ساتھ کفار کے شدائد و مظالم کی برداشت کے لیے دل و دماغ کا آمادہ ہو جانا نہایت اہم مرحلہ تھا۔ اِن حالات میں اگر ابتداءً احکامِ تکلیفیہ کا بھی نفاذ ہوتا تو کتنے افراد کے لیے یہ احکام ہی قبولِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے۔

مختصر یہ کہ احکام و حِکَم، ربط باہم، اور بے حد و نہایت معانی و رموز پر مشتمل قرآنِ حکیم کی ایک اصلی ترتیب یقیناً تھی۔ وہی زمانۂ مابعد میں جاری ہوئی۔ اور اسی ترتیب پر یہ لافانی کتاب لوحِ محفوظ میں بھی ثبت تھی اور ہے۔ مگر اس کے مشتملات کے نزول، اور اس کے قوانین و احکام کے نفاذ کے لئے حکمت و ضرورت اُسی طریقۂ تنزیل اور ترتیبِ نزول کی متقاضی تھی جو ربِّ کریم کی طرف سے اس وقت عالمِ ظہور میں آئی۔

ہاں کتابۃً نہیں بلکہ حفظاً دورِ رسالت ہی میں قرآن کی اصل ترتیب بھی قائم ہوتی گئی اور یہ ترتیب قرآن کے دورۂ اخیر اور تکمیل نزول پر مکمل ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تحصیل کے بعد سینۂ حفاظ میں محفوظ رہی۔ ان ہی کے ذریعہ اس کی تعلیم و ترویج بھی ہوتی رہی ــ جب خلفائے کرام کا دور آیا تو قرآن کے حافظِ حقیقی نے ان خلفا کے لیے صحیفوں اور مُصحف کی شکل میں ترتیب قرآن کے داعیے پیدا کیے، اور انھوں نے بتدریج اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ــ والذی انزل القرآن اعلم بمصالح عبادہٖ، وحکم کتابہٖ، واسرار تنزیلہ۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ تم تلاش و تتبع اور چھان بین کرکے قرآن جمع کرو۔" حضرت زید فرماتے ہیں۔

فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل مما امرنی بہ من جمع القرآن۔

خدا کی قسم! اگر مجھے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر "جمع قرآن" کی اہم ذمہ داری سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔

میں نے عرض کیا۔ آپ حضرات ایک ایسا کام کیسے کریں گے جو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ صدیق اکبر نے جواب دیا" ھو واللہ خیر" خدا کی قسم! یہ کام تو بہتر ہی ہے۔

فلم یزل یراجعنی ابوبکر حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر و عمر۔

اس پر ان سے میری گفت و شنید جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا۔

فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال۔

تو تلاش و تتبع اور چھان بین کرکے میں درخت خرما کی شاخوں، سنگی تختیوں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن جمع کرنے لگا۔

یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم سے آخر سورہ تک (کل دو آیتیں) میں نے حضرت ابو خزیمہ[1] انصاری کے پاس پایا۔ ان

---

[1] بعض روایات میں خزیمہ بن ثابت ہے۔ مگر فتح الباری میں فیصلہ یہ کیا ہے ←

میں ایک عظیم جماعت سے سات سو حفاظ کا شہید ہو جانا بالکل قرینِ قیاس ہے۔

بہرحال اس معرکہ میں حفاظِ قرآن کی اتنی کثیر تعداد میں شہادت ہوئی کہ یہ ایک ایسا دل گداز واقعہ بن گیا جس نے صحابہ کے اربابِ حل وعقد کو چونکا دیا۔ قرآن کی یکجا کتابت لازمی سمجھی گئی۔ اور خلافتِ اسلامیہ کی نگرانی میں قرآن کی تدوینِ ثانی کا کام شروع ہوا۔

امام احمد، امام بخاری، ترمذی، نسائی، ابن حبان (فی الصحیح) طبرانی (فی الکبیر) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی داؤد (فی المصاحف) ابوداؤد طیالسی، ابن سعد، اور عدنی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تدوینِ ثانی کی تفصیل یوں روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

> حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ یمامہ کے بعد میرے پاس آدمی بھیج کر مجھ کو طلب فرمایا میں ان کے یہاں حاضر ہوا تو حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے، حضرت ابوبکر نے مجھ سے فرمایا، "عمر نے مجھ سے آکر کہا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی بڑی شدید خوں ریزی ہوئی ہے۔ مختلف معرکوں میں حفاظ کی شہادت کا یہی نقشہ رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سارا قرآن (ان کے ساتھ ہی) چلا جائے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ "جمع قرآن" کا حکم دیں۔ اس پر میں نے عمر سے کہا ہم کوئی ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمر نے کہا ھو واللہ خیر. بخدا یہ کام تو بہتر ہی ہے۔ عمر مجھ سے اس معاملے میں گفت وشنید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کے لیے اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا۔ اور میری رائے بھی وہی ہو گئی جو عمر کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں۔ صدیق اکبر نے مجھ سے فرمایا تم عقلمند جوان ہو۔ تم پر ہماری کوئی تہمت بھی نہیں ہے تم تو رسول اللہ

چیزوں میں منتشر تھا، یکجا کر کے پیش نظر رکھا۔ یہ وہ اصل تھی جسے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے املا کرایا تھا، اور حسب روایتِ حضرت زید، بعد املا پڑھوا کر سنا تھا جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت تھی، اصلاح بھی فرما دی تھی۔

(۲) لوگوں کے پاس صحیفوں، تختیوں یا دوسری چیزوں میں جو مختلف نسخے اور اجزا تھے سب حتی الامکان جمع کر کے پیش نظر رکھے۔

(۳) ہر آیت کی تصدیق کم از کم دو حافظوں سے کرتے جاتے۔ مزید برآں خود بھی حافظ تھے۔

اس عظیم اہتمام اور تفتیش و تحقیق کے ذکر میں حدیث مذکور کے علاوہ، اور بھی احادیث ہیں جن سے قدرے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدوینِ ثانی کتنی مشقت اور جانفشانی کے ساتھ انجام دی گئی ہے۔ مثلاً۔

ابن ابی داؤد مصاحف میں ہشام بن عروہ سے راوی ہیں۔

قال لما استحر القتل بالقراء فرِقَ ابوبکر علی القرآن ان یَّضیعَ فقال لعمر بن الخطاب ولزید بن ثابت اقعدا علی باب المسجد فمن جاء کما بشاھدین علی شیٔ من کتاب اللہ فاکتباہ۔

وہ فرماتے ہیں۔ جب قرا کی شدید خونریزی ہوئی۔ حضرت ابوبکر کو قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت زید بن ثابت سے فرمایا۔ دروازۂ مسجد پر بیٹھو تمہارے پاس جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصے پر دو گواہ لائے تو اسے لکھ لو۔

(کنزالعمال ج ۱ ص ۲۸۰)

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ رجالہ ثقات مع انقطاعہ۔ یہ حدیث اگرچہ منقطع ہے مگر اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اتقان ج ۱ ص ۶۰)

ابن سعد نے بھی بروایت ہشام بن عروہ ان کے والد سے اس کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے۔ (کنزالعمال ج ۲ ص ۲۸۰)

کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ پایا۔ اس تدوین سے صحیفے تیار ہو گئے (ہر سورہ ایک الگ صحیفے میں تھی اس طرح ہر سورہ کی تمام آیات یکجا ہو گئیں) یہ صحیفے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ان ہی کے پاس رہے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ ان کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رہے۔
(بخاری ج ۲ ص ۷۴۷، کنز العمال ج ۱ ص ۲۷۹)

تدوینِ ثانی کے خصائص

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کی تدوین اور آیاتِ قرآن کی تحقیق و تفتیش اور تلاش و تتبع میں مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھے۔

① عہد رسالت کا کتابت شدہ قرآن، جو چرمی پارچوں، سنگی تختیوں، اور دوسری

(بقیہ صفحہ ٦٠) کہ عہد عثمانی میں جن کے پاس آیت احزاب ملی وہ خزیمہ بن ثابت انصاری ہیں۔ اور عہد صدیقی میں آخر سورۂ توبہ جن کے پاس ملا وہ ابوخزیمہ بن اوس ہیں۔ علامہ قسطلانی نے بھی علامہ ابن حجر کی تائید فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ یہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ نام دریافت نہ ہوا۔ علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی معروف بہ خازن اپنی تفسیر "لباب التاویل فی معانی التنزیل" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔ حدیث اول میں ابوخزیمہ بن اوس بن زید بن اصرم بن ثعلبہ بن عمر بن مالک بن نجار انصاری ہیں۔ جو بدر اور اس کے بعد کے غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے۔ خلافت عثمانی میں وفات پائی۔ ان ہی کے پاس آخر سورۂ توبہ ملا۔ علامہ ابن عبدالبر نے یوں ہی ذکر فرمایا ہے اور حدیث ثانی میں ابوعمارہ خزیمہ بن ثابت بن الفاکہ بن ثعلبہ بن ساعدہ خطمی اوسی انصاری ہیں جو صاحب شہادتین سے مشہور ہیں، بدر اور مابعد کے غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے جنگ صفین ۳۷ھ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ اسی میں اپنے حریف کے ہاتھوں وفات پائی۔

یا زبانی جو کچھ سنا رہے ہیں یہ سب قرآن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک کلام معجز اور نظم معروف پیش کرتے جس کی تلاوت ذمہ دارانِ تدوین نے خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اس لیے غیر قرآن کو (قرآن بنا کر) غلط طور پر پیش کرنے کا خدشہ نہ تھا۔ اندیشہ بس یہ تھا کہ ان صحیفوں سے کچھ ضائع نہ ہوا ہو۔ (اتقان ج اص ۶۰ نوع ۱۸)

آخرِ براءت کی دو آیتیں

روایات میں آیا ہے کہ آخرِ براءت کی دو آیتیں صرف حضرت خزیمہ کے پاس ملیں۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ بعض قرآن آحاد سے لیا گیا ہے اور غیر متواتر ہے۔ علامہ ابن حجر وغیرہ متعدد ائمہ فن بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں یقیناً دوسرے حضرات کو بھی یاد تھیں۔ مگر تحریری شکل میں صرف حضرت خزیمہ کے پاس تھیں۔

روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ اپنے رسالہ تعنیر لقد جاء کم الخ میں فرماتے ہیں۔

واخرج ابو داؤد عن ابی الدرداء موقوفا وابن السنی عنہ مرفوعا من قال حین یصبح ویمسی حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم۔ سبع مرات کفاہ اللہ ما اھمہ من امر الدنیا والآخرۃ۔	ابو داؤد نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً اور ابن السنی نے ان ہی سے مرفوعاً روایت کی (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں) جو شخص صبح و شام "حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم" سات بار پڑھے اللہ تعالیٰ ہر مشکلِ دنیا و آخرت میں اس کی کارسازی فرمائے۔

(رسالہ منقولہ در اکلیل حاشیہ مدارک التنزیل ص۳۱۵ ج۲)

حسبی اللہ لا الہ الا ھو الآیۃ۔ ان دو آیتوں میں سے ایک ہے جب حضرت ابو الدرداء اس کے راوی ہیں تو ان کی یاد میں بلاشبہ یہ آیت تھی

ابن اشتہ نے مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کی ہے۔

اول من جمع القرآن ابوبکر وکتبہ زید وکان الناس یاتون زید بن ثابت فکان لا یکتب آیۃ الا بشاھدی عدل۔ وان آخر سورۃ براءۃ لم توجد الا مع ابی خزیمۃ بن ثابت فقال اکتبوھا فان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعل شھادتہ بشھادۃ رجلین۔

(اتقان ج ا ص ۶۰)

حضرت ابوبکر نے سب سے پہلے قرآن جمع کیا۔ اور حضرت زید نے لکھا۔ لوگ حضرت زید بن ثابت کے پاس آتے، تو وہ دو عادل کے بغیر کچھ نہ لکھتے، ہاں سورۂ براءت کا آخری حصہ (دو آیتیں) صرف حضرت ابوخزیمہ بن ثابت کے پاس ملا تو (حضرت ابوبکر نے) فرمایا۔ اسے لکھ لو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دی ہے چنانچہ وہ لکھ لیا گیا۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ابن شہاب زہری سے مروی ہے۔

قال لما اصیب المسلمون بالیمامۃ فزع ابوبکر وخاف ان یذھب من القرآن طائفۃ، فاقبل الناس بما کان معھم وعندھم حتی جمع علی عھد ابی بکر فی الورق. فکان ابوبکر اول من جمع القرآن فی المصحف۔

(اتقان ج ا ص ۶۰ نوع ۱۸)

جب مسلمان یمامہ میں شہید ہوئے تو حضرت ابوبکر گھبرائے۔ اور انہیں اندیشہ ہوا کہ قرآن کا کوئی حصہ چلا نہ جائے تو لوگوں نے وہ سب پیش کیا جو انہیں یاد تھا۔ یا ان کے پاس تھا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قرآن اوراق میں جمع ہوگیا تو ابوبکر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مصحف میں جمع کیا۔

حضرت حارث محاسبی، کتاب فہم السنن میں فرماتے ہیں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ اعتماد کیوں کر پیدا ہو سکا کہ لوگ چرمی پارچوں میں جو کچھ پیش کر رہے ہیں

مکتوبہ اجزا کی چھان بین کا مقصد کیا تھا۔؟

کیا حضراتِ جامعین کو قرآن یاد نہ تھا؟ ان کے پاس قرآن کی تدوینِ اول نہ تھی؟ یا کچھ آیات قرآنیہ کا انہیں کوئی علم نہ تھا؟ لہٰذا شہادتوں اور قرائن کے ذریعہ ان آیات کی قرآنیت کا اثبات انہیں مطلوب تھا؟ ہرگز نہیں! اگر اثباتِ قرآنیت ان کا مقصد ہوتا تو وہ کثرتِ حفاظ کے باوجود صرف دو شاہدوں پر اکتفا کیوں کرتے؟ ثبوتِ قرآنیت کے لیے تو عددِ تواتر شرط ہے۔ ایک مدعی، دو شاہد کل تین آدمیوں سے بھلا کس کے نزدیک عدد تواتر پورا ہوتا ہے؟ اگر ثبوتِ قرآنیت فراہم کرنا ہی ان کا مقصود ہوتا تو وہ ہر آیت پر ایک جماعت کثیرہ کی شہادت طلب کرتے۔ اور کثرتِ حفاظ کے باعث ان کو ہر آیت پر بکثرت گواہ مل بھی جاتے۔ مگر کسی روایت میں نہیں ملتا کہ انہوں نے جماعت کثیرہ سے شہادت حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔

پھر کیا انہیں کسی آیت کی قرآنیت سے متعلق کوئی شبہہ تھا جس کے ازالے کے لئے انہوں نے دو تین آدمیوں کی گواہی کافی سمجھی؟ ایسا بھی نہیں۔ تدوینِ ثانی میں ایسا کوئی مقصد کارفرما نہ تھا۔ قرآن تو عہد رسالت ہی میں متواتر تھا۔ ہزاروں حفاظ پیدا ہو چکے تھے حضرت زید، فاروق اعظم اور صدیق اکبر خود حافظ تھے۔ انہیں جو کچھ یاد تھا (یعنی پورا قرآن) اس کی تلاوت خود جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سن چکے تھے۔ ان کی املا کرائی ہوئی یادداشتیں ان کے پیش نظر تھیں۔ ناسخ و منسوخ سے وہ اچھی طرح باخبر تھے۔ ہر آیت کی قرآنیت کا انہیں یقینی و قطعی علم حاصل تھا، اس لیے اپنے کسی شک کے ازالے یا کوئی "نیا تواتر" فراہم کرنے کی ہرگز انہیں کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

تدوینِ ثانی کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرآن کا ایک نسخہ مجتمع شکل میں تیار ہو جائے اور وقتِ ضرورت مرجع و معتمد بن سکے۔ اس کے لیے منتشر اجزا کو یکجا کر کے ترتیب سے لکھ لینا کافی تھا۔ اور دو شاہدوں کی تلاش، تفتیش و تحقیق دوسرے نوشتوں کی چھان بین محض اطمینانِ کلی، احتیاطِ مزید اور تنقیحِ کامل کے لیے

پھر جب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس آیت کا وظیفہ بتایا تھا تو یہ آیت بہت سے ان لوگوں کو بھی یاد رہی ہوگی جو پورے قرآن کے حافظ نہ تھے۔ پھر یہ خیال کیوں کر درست ہو سکتا ہے کہ آخر براءت کی دونوں آیتیں حضرت خزیمہ کے علاوہ اور کسی کو یاد بھی نہ تھیں اور بعض قرآن آحاد سے لیا گیا ہے۔

مسند امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حارث بن خزیمہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ دو آیتیں (لقد جاءکم الخ) پیش کیں۔ حضرت عمر نے فرمایا تمہارے ساتھ اس پر دوسرا شاہد کون ہے؟ انہوں نے کہا۔

لا ادری، واللہ انی اشہد لسمعتہما من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ووعیتہما وحفظتہما فقال عمر وانا اشہد لسمعتہما من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(قسطلانی ج ۷، ص ۱۳۱)

مجھے معلوم نہیں مگر خدا کی قسم میں شہادت ہوں کہ میں نے یہ دونوں آیتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی سمجھی اور یاد رکھی ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ آیتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حارث بن خزیمہ ایک دوسرے صحابی ہیں۔ انہیں بھی یہ آیتیں یاد تھیں۔ فاروق اعظم کو بھی، اس طرح حضرت خزیمہ، حارث بن خزیمہ اور فاروق اعظم کو ان آیات کا یاد ہونا صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔

ایک روایت سے حضرت عثمان کو اور ایک روایت سے حضرت ابی بن کعب کو بھی یاد ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔

(ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی ج ۷، ص ۱۳۱)

اگر دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان روایات سے عدم تواتر کا غلط نتیجہ نکالنا صرف کوتاہ اندیشی کی پیداوار ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ تدوین ثانی کی غرض و غایت کیا تھی؟ اور اس تحقیق و تفتیش، دو شاہدوں کی تلاش،

- - - - - - - - - - - صرف اس کی تائید وتاکید کے لئے تھیں
- - - - - - - - - - جو ان کی اصل و معتمد تھی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نقلِ روایات و اقوال کے بعد فرماتے ہیں۔

والحاصل انھم ما جمعوا الا بعد ما ثبت بالدلیل القطعی لفظہ وبالدلیل الظنی کتابتہ۔

(مرقاۃ جلد ۲ ص ۶۲۸)

حاصل یہ کہ انہوں نے تدوین و کتابت اسی وقت کی جب ان کے پاس دلیل قطعی سے لفظ کا اور دلیل ظنی سے کتابت کا ثبوت ہو گیا۔

یعنی آیات قرآنیہ کا ثبوت تواتر اور دلیل قطعی سے تو انہیں حاصل ہی تھا مزید برآں تنقیح سے کام لیا۔ پھر کتابت شدہ اجزا کوئی پیش کرتا تو اس کے لیے بھی دو شاہد تلاش کرتے جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا ہے۔ یا سرکار کی املا کردہ یادداشتوں ہی سے اسے نقل کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ کتابت پر بھی دلیل ظنی فراہم کر لیتے۔

پھر یہ اعلان کہ" جس کے پاس جو کچھ قرآن حفظ یا تحریر کی صورت میں ہو لے آئے" میری نظر میں غرض تقریر و تاکید کے علاوہ ایک اور حکمت پر مبنی ہے وہ یہ کہ آئندہ زمانوں میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میرے پاس ایک یا چند آیاتِ قرآنیہ تھیں جن کی کتابت ان صحیفوں میں نہ ہو سکی، لہٰذا یہ صحائف ناقص ہیں اس اعلان اور اس پر عمل کے باعث یہ خدشہ جاتا رہا۔ جس کے پاس جو کچھ تھا پیش کر دیا۔ اور اطمینان ہو گیا کہ اب آئندہ کوئی نیا دعویٰ نہ ہو گا۔ اگر کسی نے دعویٰ کیا تو اس پر خود ہی الزام عائد ہو جائے گا کہ تم نے عہد تدوین میں اپنا بیان کیوں نہیں پیش کیا۔ اور قرآن کریم کے معاملے میں سستی اور مساہلت کیوں اختیار کی ؟

اور دو شاہدوں کی شرط اس لیے رکھی گئی کہ پیش کرنے والا بھی محتاط ہو کر پیش کرے۔ اگر صرف ایک آدمی کا بیان کافی قرار دیا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی شخص ایسا کوئی حصہ لے آئے جس کے متعلق اس کا گمان غالب ہو کہ یہ قرآنِ غیر منسوخ ہے

تھی۔ لہٰذا ذمہ دارانِ جمع و تدوین اگر کسی آیتِ متواتر کو بغیر کسی شہادت کے لکھ لیتے تو بھی ان پر کوئی الزام عائد نہ ہوتا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

شک نیست کہ قرآن معلوم بود بالقطع والیقین و معروف بود نزد ایشاں متمیز از ماسوائے خود و مجمع علیہ میان ہمہ ــــ نہ آنکہ مشتبہ بود، و چیزے ازاں نزد بعضے بود کہ مردم دیگر آنرا نمی شناختند یا منکر بودند قرآنیت آنرا، و اثبات می کردند آنرا بحلف و شہادت ــــ حاشا و کلا! می دانستند آنرا بتالیف معجز و نظم معروف، و بہ تحقیق مشاہدہ کردند تلاوت آنرا ازاں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدت بیست و سہ سال و یاد داشتند مجموع آں را جمعے از صحابہ پس از خلط چیزے کہ نہ از قرآن است مامون بودند وایں تحقیقات و تفتیشات برائے تقریر و تاکید بود کہ اصل و معتمد آں بود۔

(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۶۲ طبع نہم ۱۹۶۳ء مطبع منشی تیج کمار لکھنؤ)

_ _ _ _ _ _ _ _

_ _ _ _ _ _ _ _

اس میں شک نہیں کہ قرآن قطعیت اور یقین کے ساتھ معلوم تھا اور ان کے نزدیک غیر قرآن سے ممتاز، سب کا جانا پہچانا اور سب کا اجماعی و متفق علیہ تھا۔ ایسا نہیں کہ مشتبہ رہا ہو، یا کسی کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ایسا تھا جس سے دوسرے حضرات نا آشنا یا اس کی قرآنیت کے منکر تھے اور حلف و شہادت سے اس کا ثبوت فراہم کر رہے تھے. حاشا و کلا! ایسا ہرگز نہیں. بلکہ قرآن کو تو یوں بھی اس کی معجزانہ تالیف اور معروف نظم سے جانتے تھے. اور تیئیس ۲۳ سال کے عرصے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی تلاوت کی سماعت اور اس کا تحقیقی مشاہدہ کیا کرتے تھے. مزید برآں صحابۂ کرام میں ایک جماعت پورے قرآن کی حافظ موجود تھی اس لیے وہ اس بات سے مامون تھے کہ کوئی آدمی کسی غیر قرآن کو قرآن سے مخلوط کر سکے یہ ساری تحقیقات و تفتیشات

حضرت ابوبکر نے کوئی نئی چیز نہ لکھوائی بلکہ اسی کو لکھنے کا حکم دے دیا جو عہدِ رسالت میں لکھا جا چکا تھا۔ جبھی تو حضرت زید نے یہاں تک احتیاط برتی کہ آخر براءت کی آیتیں اس وقت تک نہ لکھیں جب تک انہیں تحریری شکل میں نہ ملیں۔ حالانکہ یہ آیتیں خود انہیں اور دوسرے لوگوں کو یاد تھیں۔ مزید فرماتے ہیں۔

واذا تامل المنصف ما فعله ابوبکر من ذلک جزم بانه یعد من فضائله وینوه بعظیم منقبته لثبوت قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم "مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا" فما جمع القرآن احد بعده الاوکان له مثل اجره الی یوم القیٰمة۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۰)

اگر صاحب انصاف حضرت ابوبکر کا عملِ تدوین نگاہِ غور سے دیکھے تو قطعاً یہ فیصلہ کرے گا کہ یہ تدوینِ قرآن ان کے فضائل میں شمار کی جائے گی۔ اور یہ تو ان کے عظیم فضل وکمال کا اعلان کر رہی ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسے اس ایجاد کا ثواب اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ملے گا۔" (مسلم شریف) لہٰذا صدیقِ اکبر کے بعد روزِ قیامت تک جو بھی جمعِ قرآن کا کام کرے حضرت صدیق کو اس کا اجر ملتا رہے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورۃ الصدر تفصیل سے بھی واضح ہے کہ اس اعتراض کا جواب تو اسی وقت دے دیا گیا جب فاروق اعظم نے اس کے جواز پر یوں استدلال کیا کہ "ھو واللہ خیر" صدیق اکبر نے بھی یہی فرمایا "بخدا کام تو اچھا ہی ہے" جس سے یہ معلوم ہوا کہ جو کام اچھا ہو کسی دور میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ ابن بطال فرماتے ہیں۔

ودل ذلک علی ان فعل الرسول اذا تجرد عن القرائن وکذا ترکه لایدل علی وجوب وتحریم۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی دلیل و قرینہ موجود نہ ہو تو فعلِ رسول سے وجوب اور ترک سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

اور درحقیقت وہ سرے سے قرآن ہی نہ ہو یا ہو تو منسوخ ہو. اس شرط کے پیش نظر اب اگر کوئی پیش کرتا تو قطعیت اور یقین کے ساتھ۔ اور وہ بھی جب اپنے موافق دو گواہ پا لیتا. اور جو شخص اپنی یادداشت پر دو گواہ بھی نہ پاتا اسے خود ہی اس بات کا احساس و اعتراف ہو جاتا کہ واقعۃً یہ اگر آیت قرآنی ہوتی تو ہزاروں صحابہ میں سے کم از کم دو آدمی تو میرے مؤید ضرور مل جاتے. جب اور کوئی اسے آیت قرآنی نہیں کہتا تو یقیناً یہ میرے ہی حفظ و ظن کی خطا ہے.

علاوہ ازیں دو شاہدوں کی شرط والے عام قانون کے باعث ہر بیان کی تنقید و تنقیح سہل ہو گئی کوئی عظیم شخصیت بھی اپنے بیان پر دو شاہد نہ پیش کر سکی تو قانونِ عام کے تحت اسے رد کرنے میں جامعین کو کوئی تکلف نہ تھا. نہ اس شخصیت کو اپنے بیان کے عدم قبول پر کسی ردّ و کد کی گنجائش.

الغرض صحابہ کرام اس طرز تنقیح کے باعث آئندہ کے کسی ادعائے مبنی بر ظن و سہو سے "اصولی طور پر" مامون و مطمئن ہو گئے. اور مدعیانِ نقص کے فتنوں کی بھی اسی دور میں قانونی پیش بندی ہو گئی ــــ البتہ عنادِ محض کا کسی دور میں کوئی علاج تجویز نہ ہو سکا.

کیا تدوینِ ثانی بدعت ہے؟

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کی جو خدمت انجام دی ہے اس پر بعض روافض کو یہ اعتراض سوجھا ہے کہ ان کے لیے وہ کام کیسے روا ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا.؟

پھر اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا اس جائز و مستحسن اجتہاد کے پیش نظر کیا جو اللہ کی کتاب، اس کے رسول، ائمہ مسلمین اور عام مومنین کے لیے بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت تھا خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتابتِ قرآن کی اجازت دی. اور اس کے ساتھ غیر قرآن کو لکھنے سے منع فرمایا. پھر

عہدِ عثمانی

اور

قرآن کی تدوین ثالث

اختلاف لغات جیسے اردو کے بعض محاورات والفاظ میں خود فصحائے اہل زبان کا اختلاف ہے اسی طرح مختلف قبائلِ عرب کا عربی زبان میں بہت کچھ اختلاف تھا۔ مثلاً جس کلمہ مضارِع کا عین ماضی میں مکسور ہو اس کی علاماتِ مضارع ا۔ ت۔ ن کو غیر اہل حجاز کسرہ دیتے۔ اسی طرح علامتِ مضارع ی۔ کو جب کہ اس کے بعد کوئی دوسری یا ہو۔ اس لیے وہ تَعْلَمُ کو تِعْلَم۔ یَیْقَظُ کو یِیْقَظُ بولتے۔ (شرح کافیہ للرضی ص ۱۸۷ ج ۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۲۷۹ھ)

بنی ہُذیل حتّٰی کو عتّٰی کہتے۔ اہل مدینہ کے یہاں تابوت کا تلفظ تابوہ تھا بنی قیس کافِ تانیث کے بعد ش بولتے جنوبکِ کی بجائے ضُوبکش کہتے۔ اس طریقِ تلفظ کو کشکشۂ قیس سے تعبیر کیا جاتا۔ بنی تمیم "اَنْ" ناصبہ کو "عَنْ" کہتے۔ اسی طرح ان کے نزدیک لیس کے مشابہ "ما و لا" مطلقاً عامل نہیں "ما ھٰذا بشرا" ان کے لغت پر "ما ھٰذا بشرٌ" ہوگا۔ اس طرح کے بہت سے اختلاف تھے۔

یوں ہی طرزِ ادا مثلاً تفخیم و ترقیق (پُر اور باریک پڑھنا) اِدغام، اِظہار اِمالہ، تحقیقِ ہمزہ۔ تخفیفِ ہمزہ وغیرہ میں اختلاف تھا۔

قرآن کریم پہلے ایک زبان، زبانِ قریش میں نازل ہوا۔ جیسا کہ حضرت عثمان کی حدیث میں آرہا ہے۔ اور فاروق اعظم کے ارشاد سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ ابن الانباری نے وقف میں، ابوداؤد نے سنن میں اور خطیب نے تاریخ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت عمر نے ایک شخص

منکرین فضائل اعمالِ خیر میں اسی طرح کے شیطانی خیالات و اعتراضات پیش کیا کرتے ہیں ورنہ ابھی آپ نے مسلم شریف کی حدیث ملاحظہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے نیک کاموں کی ایجاد اور ان پر عمل کرنے کی اجازت بلکہ ترغیب دی ہے۔

بہرحال جمع قرآن صدیق اکبر کا زبردست کارنامہ اور امت مسلمہ پر ان کا احسان عظیم ہے جو رہتی دنیا تک ان کے فضائل و محاسن میں شمار کیا جائے گا۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تدوین قرآن میں حضرت صدیق اکبر کی فضیلت و اولیت کا برملا اعتراف کیا ہے۔

ابن سعد، ابو یعلیٰ (مسند میں) ابو نعیم (معرفہ میں) حیثمہ ابن ابی داؤد (فضائل الصحابہ فی المصاحف میں) اور ابن مبارک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن راوی ہیں۔

قال۔ اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابوبکر۔ رحمۃ اللہ علی ابی بکر ھو اول من جمع کتاب اللہ۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۷۹ فتح الباری ج ۹ ص ۹)

مصاحف میں سب سے زیادہ عظیم اجر حضرت ابوبکر کا ہے۔ ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کی تدوین فرمائی۔

ان هوّن على امتي، فردّ الى الثالثة اقرءه على سبعة احرف، ولك بكل ردة رددتكها مسئلة تسألنيها فقلت اللهم اغفر لامتي اللهم اغفر لامتي، واخرت الثالثة ليوم يرغب الى الخلق كلهم حتى ابراهيم عليه السلام.
(مسلم شریف)

اس کی بارگاہ میں رجوع کیا۔ کہ میری امت پر آسانی فرما۔ تیسری بار جواب آیا۔ سات زبانوں پر پڑھو اور ہر بار کی مراجعت وجواب کے بدلے تمہیں مجھ سے ایک دعا کرنے کا حق دیا جاتا ہے (جو قبول ہوگی تو تین بار کے بدلے تین دعا اور اس کی مقبولیت حضور کو دی گئی) میں نے عرض کیا خداوندا! میری امت کی مغفرت فرما۔ خداوندا! میری امت کی مغفرت فرما۔ اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لیے اٹھا رکھی جس دن ساری مخلوق میری مشتاق ہوگی اور میری شفاعت کی طالب ہوگی) یہاں تک کہ (ذوالعزم پیغمبر) حضرت ابراہیم علیہ السلام (جو بعد سرور کائنات تمام انبیا ورسل سے افضل ہیں، علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انزل القرآن على سبعة احرف۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ثانی) قرآن سات حرفوں (زبانوں) پر نازل فرمایا گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال ابن حجر:۔ الجملة الاولى جاءت من احد و عشرين صحابيا ومن ثم نص ابو عبيد على انها متواترة اى معنى واختلفوا فى معناها على اربعين

علامہ ابن حجر نے فرمایا:۔ حدیث کا پہلا جملہ (عبارت مذکورہ) اکیس صحابہ سے مروی ہے۔ اسی وجہ سے ابو عبید نے نص فرمایا ہے کہ یہ حدیث معنیٰ متواتر ہے۔ اور اس

کو "لیسجننہ عتیٰ حین" پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا تمہیں یہ کس نے پڑھایا؟ عرض کیا حضرت ابن مسعود نے۔ فاروق اعظم نے اس کی اصلاح فرمائی "لیسجننہ حتیٰ حین" پھر حضرت ابن مسعود کو خط لکھا۔

سلام علیک اما بعد۔ فان اللہ انزل القرآن فجعلہ قرآنا عربیا مبینا۔ وانزلہ بلغۃ ھذا الحی من قریش۔ فاذا اتاک کتابی ھذا فاقرء الناس بلغۃ قریش ولا تقرئھم بلغۃ ھذیل۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۵۔ فتح الباری ج ۹ ص ۷۔ حوالہ ابو داؤد)

تمہیں بعد سلام معلوم ہو کہ اللہ نے قرآن نازل فرمایا تو اسے "قرآن عربی مبین" فرمایا۔ اور اس قبیلہ قریش کی زبان میں اتارا۔ تو میرا یہ خط پانے کے بعد تم، لوگوں کو زبانِ قریش کے مطابق قرآن پڑھاؤ۔ قبیلۂ ہذیل کی زبان میں نہ پڑھاؤ۔

مگر ابتداءً جبکہ مختلف قبائل عرب اسلام میں نئے نئے داخل ہو رہے تھے، اور ان میں بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، خواندہ، ناخواندہ سبھی تھے، تو ایسی حالت میں سب کے لیے زبان قریش کی پابندی، اپنے قبیلہ کی زبان اور طریق ادا کا ترک بہت دشوار تھا۔ اگر سب کے لیے یہ پابندی لگا دی جاتی تو بہت کم لوگ قرآن سیکھ پاتے۔ حالانکہ احکام دین کی اشاعت کے پیش نظر قرآن کی بھی تعلیم و اشاعت ضروری تھی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خداوند کریم سے دعائے تسہیل کی۔ فرماتے ہیں۔

ارسل الیّ ان اقرأ القرآن علی حرف، فرددت الیہ ان ھوّن علی امتی فردّ الیّ الثانیۃ، اقرءہ علی حرفین فرددت الیہ

باری تعالیٰ کی طرف سے مجھے پیغام ملا کہ ایک حرف (زبان) پر قرآن پڑھوں میں نے بارگاہِ ایزدی میں رجوع کیا کہ میری امت پر آسانی فرما دوسری بار جواب ملا۔ دو زبانوں پر پڑھو۔ میں نے پھر

قراءت کے خلاف پڑھ رہا ہے جو آپ نے مجھے پڑھائی ہے۔ سرکار نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو۔ اُن سے فرمایا پڑھو۔ انہوں نے پھر اسی طرح پڑھا جس طرح پڑھتے ہوئے میں ابھی سُن چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یوں ہی نازل ہوئی ہے۔ پھر مجھ سے فرمایا۔ تم پڑھو! میں نے بھی پڑھا تو فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔

ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرأوا ما تیسر منہ۔ — یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے تو جو آسان ہو پڑھو۔

(بخاری ج ۲ ص ۷۴۷، مسلم بالفاظہ ج ۱ ص ۲۷۲، مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۴، تفسیر ابن جریر ج ۱ مقدمہ)

ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں۔

اس طرح کا واقعہ متعدد صحابہ کے درمیان پیش آیا۔ حضرت عمر و ہشام ہی کی طرح ابی بن کعب کا عبداللہ بن مسعود کے ساتھ سورۂ نحل میں حضرت عمرو ابن العاص کا ایک آیت قرآنی میں ایک اور شخص کے ساتھ اور حضرت ابن مسعود کا آل حٰم کی ایک سورہ میں ایک شخص کے ساتھ اختلاف ہوا۔ (بحوالہ مسند احمد و ابن حبان و حاکم قسطلانی ج ۷ ص ۳۶۱)

واضح رہے کہ زبانوں کے اختلاف سے اصل معانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی سب کا معنی ایک تھا۔ جلیل القدر تابعی حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے۔

بلغنی ان تلک السبعۃ الاحرف انما ھی فی الامر تکون واحدا لا تختلف فی حلال وحرام۔ — مجھے خبر ملی ہے کہ یہ ساتوں زبانیں دین کے معاملہ اور حکم میں ایک ہوتیں ان میں کسی حلال و حرام کا اختلاف نہ تھا۔

(بخاری و مسلم مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۹۲)

مرقاۃ میں ہے۔

قال کثیرون من الائمۃ انما — بہت سے ائمہ نے فرمایا ہے کہ

قولا۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۴۳) کے معنی کی تعیین میں چالیس مختلف اقوال ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اکثر برانند کہ مراد بآن ہفت لغت است کہ در عرب مشہور است و مشہود بفصاحت بودند و آں لغت قریش و طے و ہوازن و اہل یمن و ثقیف و ہذیل و بنی تمیم است۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۹۶)

اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ سات حرفوں سے مراد وہ سات زبانیں ہیں جو عرب میں مشہور تھیں اور جن کے فصیح ہونے کی شہادت موجود ہے۔ وہ قریش، طے ہوازن، اہل یمن، ثقیف، ہذیل، اور بنی تمیم کی زبانیں ہیں۔

اذنِ باری مِل جانے کے بعد لوگوں کو ان سات زبانوں پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان زبانوں پر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے۔ اسی لیے عہدِ رسالت میں متعدد واقعات اس طرح کے پیش آئے کہ ایک شخص کی قراءت کو دوسرا شخص اپنی قراءت کے مخالف پاکر اس سے بحث کر بیٹھا۔ اور معاملہ بارگاہِ رسالت تک جا پہنچا تو سرکار نے دونوں کی تصدیق فرماکر بتایا کہ قرآن کی تلاوت میں رخصت اور آسانی دی گئی ہے۔

فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان کی قراءت کرتے ہوئے سُنا۔ اُن کی قراءت اُس کے مخالف تھی جو میں پڑھتا تھا اور جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا تھا۔ (اس لیے یہ مخالف قراءت سن کر مجھے غصہ آیا) اور قریب تھا کہ میں ہشام پر جلدی کردوں، پھر میں نے انہیں اتنی مہلت دی کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ پھر ان کے گلے میں ان کی چادر ڈالے ان کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لایا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے اس سے سُنا کہ وہ سورۂ فرقان اس

میں جب صحابۂ کرام کا اس قراءت پر اجماع ہوگیا جو قرآن کے آخری دورۂ رمضان میں ثابت رہی تو اب وہ اباحتِ تبدیل ختم ہوگئی۔
(ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۶۱ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

البتہ یہ بات تنقیح طلب ہے کہ عہدِ رسالت ہی میں اباحتِ تبدیل ختم، اور ایک لغت پر قراءتِ قرآن کی پابندی ہوگئی یا بعد میں ہوئی۔ بعض علما اس کے قائل ہیں کہ عہدِ عثمانی میں پابندی ہوئی۔ اور اکثر علما کا قول یہ ہے کہ عہدِ رسالت ہی میں پابندی ہوگئی تھی۔ اسی کو قاضی ابوبکر بن الطیب، علامہ ابن عبد البر، علامہ ابن العربی وغیرہم نے اختیار کیا ہے کیونکہ ابتدائے امر میں جب اختلافِ لغات کے باعث لوگوں کے لیے ایک طریقہ اور ایک لغت کی پابندی دشوار تھی تو ہر ایک کو اپنے طریقہ لغت پر تلاوت کی رخصت دی گئی۔ پھر جب معاملہ ضبط کے تحت آ گیا، زبانوں کی مشق ہوگئی، اور ایک طرزِ لغت کی پابندی پر لوگ قابو پا گئے تو عہدِ رسالت کے آخری رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ "دوبار" دورۂ قرآن کیا دورۂ اخیرہ کی قراءت پر معاملہ ثابت و مستقر ہوگیا تو خدا ہی کی طرف سے اسی طرزِ مقرر کی پابندی واجب اور گذشتہ رخصت ختم کر دی گئی۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۶۱)

فاروق اعظم کا حضرت ابن مسعود کو قراءتِ ہذیل سے باز رکھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سابقہ رخصت ختم، اور زبان قریش کی پابندی لازم ہوچکی تھی مگر حضرت ابن مسعود کو خبر نہ تھی۔ اس لیے فاروق اعظم نے ان کو متنبہ فرمایا۔

بہر حال اگر یہی مان لیا جائے کہ ایک لغت کی پابندی عہدِ عثمانی میں ہوئی تو بھی یہ اعتراض بالکل بے جا اور معاندانہ ہے کہ قرآن سات لغات میں تھا اب ایک ہی لغت میں ہے تو اکثر قرآن ضائع ہوگیا۔ (والعیاذ باللہ)

بہت سی احادیث اور کثیر اقوالِ محققین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زبانِ قریش کے علاوہ دیگر لغات پر قراءت محض ایک رخصت تھی جس کی بنیاد مخصوص

كان ذلك اى جواز تغيير اللفظ بمرادفه رخصة. لما كان يتعسر على كثير منهم التلاوة بلفظ واحد لعدم علمهم بالكتابة والضبط واتقان الحفظ فالقرشى يشق عليه تخفيف الهمزة واليمنى تركه فلذلك سهل على قبيلة ان تقرأ بلغتها. ثم نسخ بزوال العذر وتيسير الكتابة والحفظ. قلت وفيه ايماء الى المعتمد من مذهبنا ان المصلى اذا قرأ مالم يغير المعنى لم تفسد صلاته.

(ج ۱۔ ص ۲۴۴)

لفظ کو اس کے ہم معنی لفظ سے تبدیل کرنے کا جواز صرف ایک رخصت تھی۔ اس بنا پر کہ بہت سے لوگوں کے لیے ایک ہی لفظ کی تلاوت مشکل تھی۔ کیونکہ کتابت، ضبط اور پختگیِ حفظ کا طریقہ وہ نہیں جانتے تھے۔ قرشی پر تخفیفِ ہمزہ اور یمنی پر ترکِ تخفیف شاق تھا۔ اسی لیے اپنی زبان و لغت میں قراءت کی آسانی بخشی گئی۔ پھر جب کتابت و حفظ کی سہولت ہوگئی اور عذر جاتا رہا تو یہ رخصت نہ رہی۔ میں کہتا ہوں اس میں ہمارے مذہب کے اس قولِ معتمد کا اشارہ ملتا ہے کہ اگر مصلی سے ایسی قراءت ہوگئی جس سے معنی نہ بدلا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں۔

اباحتِ مذکورہ کی نوعیت یہ نہ تھی کہ آدمی اپنی خواہش کے مطابق" کلمہ کو اس کے مرادف سے بدل لے۔ بلکہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماع پر موقوف تھا جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے الفاظ سے اشارہ ملتا ہے۔ انہوں نے فرمایا "اقرأنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا' پڑھایا" اور اگر ہم یہی مان لیں کہ ہم معنی لفظ سے تبدیلی کی عام اجازت تھی، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سماع حاصل نہ ہو تو بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے

تک باقی رہی ہو۔ یا عہدِ رسالت میں ہی ختم ہوگئی ہو اور بلاد و امصار میں پھیلے ہوئے تمام مسلمانوں کو اس کی اطلاع نہ ملی ہو۔ بہر تقدیر عہد عثمانی میں ایک سنگین صورت حال پیش آئی۔ ایک طرز ادا والا اپنی ہی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط سمجھنے لگا اس پر آپس میں جنگ و جدال اور زد و کوب تک کی نوبت پہنچی۔

عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے۔

ان حذیفة قدم من غزوة فلم یدخل بیته حتی اتی عثمان فقال یا امیرالمؤمنین ادرك الناس۔ قال۔ وماذا لك؟ قال غزوت فرج ارمینیة فاذا اهل الشام یقرأون بقراءة ابی بن کعب ویاتون بما لم یسمع اهل العراق، واذا اهل العراق یقرأون بقراءة ابن مسعود فیاتون بما لم یسمع اهل الشام فیکفر بعضهم بعضا۔

حضرت حذیفہؓ ایک جنگ سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے حضرت عثمانؓ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے امیرالمؤمنین! لوگوں کو بچائیے۔ فرمایا۔ کیا بات ہے؟ کہا میں سرحد ارمینیہ کی لڑائی میں شریک ہوا تو دیکھا کہ شام والے ابی بن کعب کی قراءت پر قرآن پڑھتے ہیں جسے اہل عراق نے نہیں سنا۔ اور عراق والے ابن مسعود کی قراءت پر پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا تو ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔

(عمدۃ القاری للعینی ج ۲۰ ص ۱۸ ارشاد الساری ج ۷، ص ۴۵۸)

خود حضرت عثمانؓ کے یہاں بھی اس طرح کا اختلافی مقدمہ پہونچا۔ ابن اشتہ نے ابو قلابہ سے بطریق ایوب روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ بنی عامر کے انس بن مالک نامی ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں لوگوں نے قرآن کے بارے میں اختلاف کیا۔ یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین ایک دوسرے سے جنگ کر بیٹھے۔ معاملہ حضرت عثمانؓ تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا۔

حالات و اسباب پر تھی۔ لہٰذا ان حالات و اسباب اور مصلحتوں کے ختم ہو جانے کے باعث اگر وہ مخصوص رخصت بھی ختم کر دی گئی تو اس سے قرآن کے کسی حصے کا ضیاع کیسے لازم آیا؟ ـــ میں کہتا ہوں بطور تنزّل اگر یہی مان لیا جائے کہ قرآن پہلے زبانِ قریش میں نازل ہوا۔ پھر تیسیرًا سات لغات پر اترا۔ مگر جب سرکار کے آخری رمضان میں حضرت جبرئیل نے قرآن کا دو بار دور کیا اور دورۂ اخیرہ کی قراءت ثابت و مستقر ہو گئی۔ اور باقی زبانیں اس دورہ میں نہ رہیں۔ تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآنِ کامل اور سب کا مرجع و معتمد یہی ہے جو اس دورہ میں ثابت رہا۔ اور پہلے جو کچھ تھا وہ انقضائے ضرورت یا کسی بھی مصلحت کے سبب منسوخ ہو گیا۔ چاہے بالعموم لوگوں کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اب سابقہ رخصت پر عمل سے اسی وقت روکا جائے یا بعد میں اس کی ضرورت سمجھی جائے۔ بہر حال اصل قرآن تو دورۂ اخیرہ کا ثابت شدہ قرار پایا۔ اگر معاذ اللہ اس کا کوئی حصّہ آج نہ ہوتا تو کوئی ضیاعِ قرآن کہنے کی جسارت کرتا، مگر قرآنِ منسوخ کے باقی نہ رہنے کو اکثر قرآن کا ضیاع وہی کہہ سکتا ہے۔ جس کی عقل میں فتور ہو اور جسے نسخ و ضیاع کے معنی میں بھی کوئی تمیز نہ ہو۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ نسخ کوئی عیب نہیں، بلکہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کوئی حکم یا تلاوت یا دونوں ایک مخصوص مدّت کے لئے ہوں خواہ پہلے اس مدّت کا اعلان نہ ہو اور جب وہ مدّت پوری ہو جائے تو وہ حکم یا تلاوت یا دونوں اٹھا لیے جائیں۔ لوگ اس معاملہ کی تعبیر جس لفظ سے بھی کریں۔ مگر ظاہر ہے کہ مذکورہ حقیقت میں ہرگز کوئی عیب نہیں۔ وتعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔

تدوینِ ثالث کے اسباب و محرکات

اس تفصیلی اور ضروری تمہید کے بعد تدوینِ ثالث کے اسباب و محرکات کا سمجھنا آسان ہو گیا۔ مذکورہ رخصت خواہ زمانہ ذوالنورین

حضرت حذیفہ بن الیمان شام و عراق والوں کے ساتھ مل کر ارمینیہ و آذربیجان کی فتح میں جنگ کر رہے تھے۔ جب انہوں نے قراءتِ قرآن میں لوگوں کا اختلاف دیکھا تو گھبرا اٹھے۔ معرکہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ امیرالمؤمنین! اس امت کو وہ وقت آنے سے پہلے تھامیے جبکہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے۔ حضرت عثمان نے ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس کہلا بھیجا کہ صدیقی صحیفے بھیجیے۔ ہم وہ صحیفے مصاحف میں نقل کرا کے اصل آپ کو واپس کر دیں گے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ نے بھیج دیے۔ امیرالمؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نقلِ قرآن کی خدمت سپرد کی جسے ان حضرات نے پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تینوں قریشی حضرات سے فرمایا، جب تمہارا اور زید بن ثابت کا قرآن کی کسی آیت میں اختلاف ہو تو اُسے زبانِ قریش کے مطابق قلم بند کرو۔ اس لیے کہ قرآن ان ہی کی زبان میں اترا ہے ان حضرات نے ایسا ہی کیا۔

جب مصاحف میں صحیفوں کی نقل ہوگئی تو حضرت عثمان نے ام المؤمنین حضرت حفصہ کو وہ صحیفے واپس کر دیے[1] اور تدوین شدہ مصاحف میں سے ایک ایک

---

[1] ابن ابی داؤد نے زہری سے روایت کی ہے۔

اخبرنی سالم بن عبد اللہ ان مروان کان یرسل الی حفصۃ یسألھا الصحف التی کتب فیھا القرآن فتابی حفصۃ ان تعطیہ ایاھا۔

مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خبر دی کہ مروان آدمی بھیج کر حضرت حفصہ سے ان صحیفوں کو مانگا کرتا تھا وہ دینے سے انکار فرماتی رہیں۔ جب ان کی وفات ہوگئی۔ اور ہم ان کے

(بقیہ اگلے صفحہ)

عندی تکذبون بہ و تلحنون فیہ فمن نأی عنی کان اشد تکذیبا واکثر لحنا۔

(اتقان ج ۱ ص ۶۱)

میرے یہاں تم اس میں جھٹلاتے اور اس میں غلطی کرتے ہو تو جو مجھ سے دور ہیں وہ تو تم سے بھی زیادہ تکذیب اور غلطی میں مبتلا ہوں گے۔

یہ ایک فتنے کی ابتدا تھی جس کا انجام بڑا ہی خطرناک اور اندوہ ناک ہو سکتا تھا اس لیے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے دفاع کے لیے ممتاز صحابۂ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور اپنی رائے پیش کی جس پر تمام حضرات نے فیصلہ کر دیا کہ اب ضروری ہو گیا ہے کہ تمام قبائلِ عرب بلکہ ساری دنیا کو ایک لغت پر جمع کر دیا جائے اور زبان نزول کے مطابق قرآن کے متعدد نسخے تیار کرا کے دیار و امصار میں بھیج دیے جائیں اور سب کے لیے اسی کی پابندی ضروری قرار دی جائے۔

تدوین ثالث کی کیفیت

تدوین اول کی کیفیت بس یہ تھی کہ پورا قرآن لکھ لیا گیا تھا۔ تمام سورتوں۔ اور تمام سورتوں کی جملہ آیات کے درمیان ترتیب نہ تھی۔ تدوین ثانی میں ہر سورہ کی تمام آیات ترتیب سے لکھی گئیں۔ اور الگ الگ سورتوں پر مشتمل صحیفے تیار ہو گئے۔ مگر خود سورتوں کے درمیان باہمی ترتیب قید تحریر میں نہ آسکی۔ اس لیے عہد عثمانی میں قرآن کے متعدد نسخے تیار کرانے کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا گیا کہ قرآن کی ایک "تیسری تدوین" ہو جائے جس میں سورتوں کی باہمی ترتیب بھی ہو۔ اور جو قرآن الگ الگ سورتوں پر مشتمل "صحیفوں" کی شکل میں ہے۔ اسے ایک "مصحف" کی شکل دے کر پورے قرآن کی یکجا شیرازہ بندی کر دی جائے۔

ابن سعد، بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت انس بن مالک سے تدوین ثالث کی تفصیل یوں روایت کی ہے۔

تدوین ثالث میں بارہ آدمیوں نے نقل واملا کی خدمت انجام دی۔ مذکورہ چار حضرات کے علاوہ مزید پانچ حضرات کے نام متفرق طور پر کتاب ابن ابی داؤد میں ملتے ہیں۔ حضرت مالک بن انس کے دادا مالک ابن ابی عامر، کثیر بن افلح، ابی بن کعب، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا من اکتب الناس؛ سب سے زیادہ لکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: کاتب رسول، زید بن ثابت۔ فرمایا۔ فای الناس اعرب (او) افصح؟ عربیت اور فصاحت میں سب سے بڑھ کر کون ہے؟ لوگوں نے کہا۔ سعید بن العاص امیرالمؤمنین نے فرمایا۔ سعید املا کرائیں، اور زید لکھیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اولاً نقل کی خدمت ان ہی دو حضرات کے سپرد تھی۔ پھر آفاقِ عالمِ اسلامی میں بھیجے جانے والے مصاحف کی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے مزید دس آدمیوں کا اضافہ کیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۵۔ قسطلانی ج ۷، ص ۴۵۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بڑا شکوہ تھا کہ انہیں کتابتِ مصاحف میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ زید سے زیادہ قدیم الاسلام، سن رسیدہ اور ذی علم ہیں۔ مگر معاملہ یہ تھا کہ حضرت ابن مسعود کوفہ میں تھے۔ اور کارِ تدوین مدینہ میں ہو رہا تھا۔ حضرت عثمان نے کتابتِ مصاحف کا فیصلہ ہو جانے کے بعد بلا تاخیر اس کی تکمیل کا عزم کر لیا۔ اور حضرت ابن مسعود کے پاس کوفہ یا کسی بھی دور جگہ کے مقیم معزز صحابی کے پاس اطلاع بھیجنے، اور وہاں سے ان کی آمد کا انتظار کرنے میں حرج و تاخیر محسوس کی اس لیے انھیں اس خدمت میں شامل نہ کر سکے۔ پھر انہیں ہی عہد صدیقی کے صحیفوں کی نقل کرانی اور انہیں مصحف کی شکل دینی تھی۔ اس کے لیے مدینہ کے رہنے والے لوگ کافی تھے اور ان میں حضرت زید یقیناً زیادہ موزوں تھے۔ کیونکہ صدیقی صحیفے ان ہی کے لکھے ہوئے تھے۔ اور اس وقت سب کی موجودگی میں حضرات شیخین نے زید بن ثابت

مصحف ہر اہم اسلامی شہر میں بھیج دیا۔
فتح الباری میں ہے۔ یہ تدوین ۲۵ھ میں حضرت عثمان کی خلافت کے دوسرے یا تیسرے سال ہوئی۔ (ج ۹ ص ۱۴)
ترمذی کی روایت میں یہ واقعہ مزید ہے کہ حضرت ابن شہاب زہری نے فرمایا "تابوت" اور "تابوہ" میں کاتبین کا اختلاف ہوا۔ قرشیوں نے تابوت کہا اور حضرت زید بن ثابت نے تابوہ۔ معاملہ حضرت عثمان کے پاس پہونچا تو انہوں نے فرمایا۔ تابوت لکھو، کیونکہ قرآن زبان قریش میں نازل ہوا۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲)
کتاب المصاحف لابن ابی داؤد میں بطریق محمد بن سیرین روایت ہے کہ

(بقیہ صفحہ ۸۲)

فلما توفیت حفصة ورجعنا من دفنها ارسل مروان بالعزیمة الیٰ عبد اللہ بن عمر لیرسل الیہ بتلك الصحف فارسل بها الیہ عبد اللہ بن عمر فامر بها مروان فشققت، وقال مروان انما فعلت هذا لان ما فیها قد کتب وحفظ بالصحف فخشیت ان طال بالناس زمان ان یرتاب فی شان هذا المصحف مرتاب او یقول انه قد کان فیها شئ لم یکتب۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۰)

دفن سے فارغ ہوکر لوٹے تو مروان نے حضرت عبد اللہ بن عمر کے پاس قسم کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ ان صحیفوں کو بھیج دیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے پاس بھیج دیے مروان نے ان صحیفوں کو چاک کرا دیا۔ اور کہا یہ میں نے اس لیے کیا کہ ان میں جو کچھ ہے اس کی کتابت ہو چکی صحیفے یاد کر لیے گئے۔ اب مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ عرصہ دراز گزر جانے کے بعد کوئی "مصحف" کے بارے میں شک کرے۔ یا کوئی کہے کہ صحیفوں میں کچھ ایسا حصہ تھا جس کی کتابت نہ ہوئی۔

فی سورتھا فی المصحف۔ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ صدیقی کی تدوین میں مذکورہ آیت احزاب چھوٹ گئی تھی۔ تیسری تدوین میں جب صحف عہد صدیقی دوبارہ سامنے آئے تو حضرت زیدؔ نے ان صحیفوں میں آیت نہ پاکر اس کی تلاش شروع کی اور اس بات کی جستجو ہوئی کہ عہدِ رسالت کی لکھی ہوئی مل جائے۔ چنانچہ حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی۔ پھر مصحف عثمانی میں اپنے مقام پر ثبت کی گئی۔

اس حدیث کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحف صدیقی میں ایک آیت کی کمی رہ گئی تھی۔ پھر مخالفین اسلام نے دوسرا شبہہ یہ پیش کیا کہ ہوسکتا ہے مصحف عثمانی میں بھی کچھ چھوٹ گیا ہو۔ اس اعتراض کے کئی جواب دیے گئے ہیں۔

(۱) سہو ونسیان، خاصۂ انسان ہے۔ اس لیے ممکن ہے صحف صدیقی کی تدوین میں یہ آیت چھوٹ گئی ہو۔ مگر ان صحیفوں کو مرجعیت حاصل نہ تھی۔ لوگ زبانی طور پر حفاظ وقرا سے قرآن سیکھتے، ان صحیفوں سے نہیں۔ اس لیے قرآن کی قراءت و تلاوت میں کوئی کمی نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ وحفاظ کو پوری سورۂ احزاب سکھائی تھی۔ وہ صحابہ وحفاظ دوسرے لوگوں کو پوری سورہ پڑھاتے اور سکھاتے تھے اس لیے اس وقت ان صحیفوں میں ایک آیت کی کمی سے انسان کی خصوصیت نسیان کا ظہور تو ہوا مگر چونکہ قرآن کریم کا نگہبان رب العٰلمین ہے اس لیے اصل قرآن قراءت صحابہ وحفاظ میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ البتہ جب کتابت اور مصحف کو مرجعیت حاصل ہونے والی تھی اور مصاحف اس غرض سے تیار ہو رہے تھے کہ لوگ انہیں پڑھیں گے۔ ان سے قرآن سیکھیں گے۔ اور یاد کریں گے تو حافظ حقیقی نے کاتب وحی حضرت زیدؔ کو یاد دلاکر کتابت کی بھی یہ کمی پوری کر دی۔ اور قرآن کی ایک آیت بھی نہ چھوٹی۔

مصحف عثمانی میں کسی آیت کے چھوٹنے کا احتمال ناقابل التفات ہے۔ کیونکہ اس کی تدوین وکتابت صرف حضرت زیدؔ تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خدمت سپرد کی۔ اس بنیاد پر کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ یعنی عہد رسالت ہی سے اس معاملہ میں ان کو ترجیح اور اولیت حاصل تھی۔ پھر اگر عہد عثمانی میں بھی انہیں اس خدمت کی سربراہی دے دی گئی تو کسی کو اعتراض کا کیا موقع؟ اس وقت اکابر صحابہ نے حضرت ابن مسعود کے پر زور شکوے کو ناپسند کیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۶)

تعداد مصاحف

مشہور یہ ہے کہ آفاق عالم اسلامی میں بھیجے جانے والے مصاحف کی تعداد پانچ تھی مگر ابن ابی داؤد نے بیان کیا ہے کہ میں نے حاتم سجستانی سے سنا کہ سات مصاحف لکھے گئے جن میں سے مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، کوفہ ایک ایک مصحف بھیج دیا گیا۔ اور ایک مدینے میں رہا۔ (اتقان ج ۱ ص ۶۱)

آیت احزاب

حضرت انس بن مالک سے تدوین ثالث کی مذکورہ تفصیلی حدیث کے بعد، امام بخاری وغیرہ محدثین نے حضرت ابن شہاب زہری سے مزید یہ روایت کی ہے۔

اخبرنی خارجۃ بن زید بن ثابت سمع زید بن ثابت قال فقدت اٰیۃ من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بھا۔ فالتمسنا ھا فوجدناھا مع خزیمۃ بن ثابت الانصاری "من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ" فالحقناھا

مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی، انہوں نے اپنے والد زید بن ثابت سے سنا، انہوں نے فرمایا۔ مصاحف نقل کرتے وقت میں نے سورہ احزاب کی ایک آیت نہ پائی جسے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا۔ اسے ہم نے تلاش کیا تو خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پایا۔ تو اسے مصحف کے اندر سورۂ احزاب میں اس کی جگہ پر شامل کر دیا۔ وہ آیت یہ تھی۔ من

فی المصاحف فقدت آیۃ من سورۃ الاحزاب کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقرأھا لم اجدھا مع احد الامع خزیمۃ الانصاری الذی جعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہادتہ شہادۃ رجلین. (ج ۲ ص ۷۰۵، کتاب التفسیر)

نقل کیے تو سورۂ احزاب کی ایک آیت کھو گئی. میں اسے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا کرتا تھا. وہ میں نے کسی کے پاس نہ پائی سوائے حضرت خزیمہ انصاری کے جن کی شہادت کو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا.

کسی حدیث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تمام طُرق و روایات پر نظر رکھتے ہوئے اس کا صحیح مفہوم متعین کیا جائے. ان روایات کے الفاظ سے واضح ہے کہ آیت احزاب نہ ملنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب صحیفے مصاحف میں نقل کیے گئے، اور ظاہر ہے کہ یہ کام عہد عثمانی اور تدوین ثالث میں ہوا عہد صدیقی میں نہیں. اس تدوین میں تو صرف صحیفے تیار ہوئے مصاحف نہیں.

لہٰذا حدیث خارجہ بن زید میں مصاحف کا معنیٰ "صحیفے" لینا. اور آیتِ احزاب کی گمشدگی کا واقعہ تدوینِ ثالث نہیں بلکہ تدوینِ ثانی کا بتانا صحیح و صریح روایات سے اس کی تائید نہیں ہوتی.

(۴) راقم کے نزدیک حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کا جواب ایک اور ہے. امید کرتا ہوں کہ معزز ناقدین کی نظر میں قرینِ تحقیق ثابت ہو گا.

(الف) سب سے پہلے خود زیر بحث حدیث پر غور کرنا چاہیے. اس میں ہرگز کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس امر کی واضح نشان دہی کرتا ہو کہ تدوینِ ثالث کے وقت "جب صحف صدیقی دیکھے گئے تو ان میں" سورۂ احزاب کی وہ آیت نہ ملی اور یہ احساس ہوا کہ ان صحیفوں سے ایک آیت چھوٹ گئی اور لکھی نہ

بارہ صحابۂ کرام کی شمولیت تھی۔ پھر اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ جب کہیں اس کی اشاعت ہوئی۔ کیا یہ کسی عقل میں آنے والی بات ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت چھوٹ جائے اور عظیم جماعتِ صحابہ وحفاظ میں سے کسی کو یاد نہ آئے؛ یا یاد تو آئے مگر سب خاموش رہ جائیں، اور قرآنِ ناقص پر اجماع کر لیں؛ کیا صحابہ کی حرارتِ ایمانی، دینی معاملات میں ان کی جرأتِ بے باک اور ان کے جذبۂ حق گوئی سے آشنا کوئی بھی شخص ایسے اوہام وخیالات کو ذرا دیر کے لیے بھی اپنے ذہن میں جگہ دے سکتا ہے! ہرگز نہیں۔

(۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں کہ یہ بہت بعید ہے کہ عہدِ صدیقی کی تدوین میں کسی آیت کی کتابت چھوٹ گئی ہو اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ تدوینِ ثالث کا نہیں بلکہ تدوینِ ثانی کا ہے۔ تدوینِ ثانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لکھائی ہوئی یادداشتوں میں آیت احزاب نہ ملی۔ تلاش وجستجو کے بعد صاحب شہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مل گئی اور "مصحف" یعنی "صحیفوں" میں لکھی گئی۔ (مرقات ج ۲ ص ۶۳۱)

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی اس کی تائید کی ہے بلکہ اسی کو حدیث کا ظاہر معنی قرار دیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۶۵)

اب رہا یہ کہ اس میں "نسخنا المصحف" ہے (ہم نے مصحف اصل یادداشتوں سے نقل کیا) حالانکہ تدوین ثانی میں تنہا حضرت زید نے کتابت کی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نون جمع تعظیما ہے۔

○ مگر مصاحف کا معنی صحیفے لینا محل نظر ہے کیونکہ یہی حدیث بخاری شریف میں اور دو مقامات پر آئی ہے ایک جگہ یہ الفاظ ہیں۔ نسخت الصحف فی المصاحف (ج ۱ ص ۳۹۴ کتاب الجہاد)

دوسری جگہ ہے۔

لما نسخنا الصحف — جب ہم نے "صحیفے" مصاحف میں

کے وقت تو موجود تھی. مگر تدوینِ ثالث کے وقت گم ہو گئی.

اب آپ پر میرا مدعا واضح ہے کہ فقدت آیۃ من الاحزاب کا جملہ پتہ دے رہا ہے کہ تدوینِ ثالث کے وقت صرف صحف صدیقی سے نقل پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ اولین ماخذ، اور بعد کی جملہ تدوینی خدمات کا سنگ بنیاد اور سب کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرائی ہوئی یادداشتیں بھی پیش نظر رکھی گئیں.

ان ہی یادداشتوں میں سورۂ احزاب کی ایک آیت من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ. جو تدوینِ ثانی کے وقت موجود تھی. تدوینِ ثالث کے وقت کھو گئی جب تلاش کی گئی تو صاحب شہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مکتوبہ شکل میں ملی. پھر مصحف کے اندر سورۂ احزاب میں اپنے مقام پر ثبت کر دی گئی.

اس بحث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آج کوئی محقق جب کسی کتاب کو ایڈٹ کر کے منظر عام پر لانا چاہتا ہے تو اپنے معتمد نسخے کے علاوہ متعدد دوسرے نسخے مختلف ماخذ اور بہت سی تائیدات تحقیق مزید اور اطمینانِ کامل کی خاطر فراہم کر کے سامنے رکھتا ہے اور لفظ لفظ کی تنقیحِ کامل کے بعد اپنی کتاب منصۂ شہود پر لاتا ہے اسی طرح تدوینِ ثانی اور تدوینِ ثالث میں بھی یہ احتیاطیں برتی گئیں بلکہ وہ تنقیحات عصر حاضر کی تحقیقات سے بدرجہا فائق تھیں. آج کی کتابیں متواتر اور جماعت کثیرہ کو حفظ نہیں ہوتیں. اس لیے یہ تمام انتظامات کیے جاتے ہیں مگر ان محتاط صحابۂ کرام نے دینِ حق کی اساس "قرآن عظیم" کی اہمیت کے پیش نظر تواتر وحفظ کے باوجود پہلے تمام ممکنہ تائیدات حاصل کریں پھر کہیں صحیفوں اور مصاحف میں آیاتِ قرآنی درج کیں.

راقم کے مذکورہ بیان کی بنیاد کسی اختراع یا احتمال محض پر نہیں بلکہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحف صدیقی کے ساتھ لوگوں کے پاس سے چرمی پارچوں، سنگی تختیوں وغیرہ میں لکھے ہوئے اجزائے

جا سکی. جب روایات و احادیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں تو قطعیت اور جزم و یقین کے ساتھ یہ معنی متعین کرنے کی گنجائش بھی نہیں کہ صحف صدیقی میں ایک آیت درج نہ ہو سکی۔

(ب) اس حدیث میں "فقدت آیۃ من الاحزاب" خاص طور سے قابل توجہ ہے۔ فَقَدَ کا اصل معنی ہے گم کر دیا۔ "کھو دیا[1]" ظاہر ہے کہ "میں نے فلاں شئی گم کر دی اور فلاں چیز کھو گئی" اسی وقت بولیں گے جب اپنے پاس موجود رہی ہو پھر غائب ہوئی ہو۔ اب اگر فقدت آیۃ من الاحزاب کا معنی یہ لیں کہ صحیفۂ صدیقی میں سے سورۂ احزاب کی ایک آیت میں نے کھو دی تو معنی کسی طرح بن نہیں سکتا صحیفے میں پوری سورہ موجود تھی۔ پھر اس میں ایک آیت نکل کر کھو گئی۔ باقی سورہ مع کاغذ موجود رہی یہ بھلا کون کہہ سکتا ہے اس کی نوعیت یہ ہو سکتی ہے کہ آیت کسی طرح مٹ جائے اور اس کی جگہ باقی ہو مگر اس کی تعبیر "کھو دینے" اور "گم کر دینے" سے ہرگز نہ ہوگی۔ اس کے لیے صاف طور پر کہا جائے گا۔ "ایک آیت مٹ گئی" یا "فلاں آیت کی جگہ سے حروف اڑ گئے اور بیاض ہو گیا"۔

اب آپ غور کریں کہ "میں نے ایک آیت کھو دی" یہ تعبیر کس حقیقت پر دال ہے۔ اور یہ عبارت واقعہ کی کس نوعیت کا پتہ دے رہی ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ عہد رسالت میں بعض چھوٹی سورتوں کی طرح بہت سی آیات بھی مختلف ٹکڑوں اور اجزا میں منتشر و غیر مرتب تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یادداشتوں میں بلاشبہ ایسا بھی تھا کہ ایک آیت ایک چرمی پارچے یا اور کسی چیز پر علٰحدہ تھی وہ ساری یادداشتیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد صدیقی کی تدوین میں پیش نظر رکھیں۔ ان یادداشتوں میں سے اگر کوئی ایک آیت بعد میں گم ہو گئی ہو تو یقیناً یہ تعبیر برمحل ہو گی کہ "فلاں آیت کھو گئی"۔ یعنی تدوین ثانی

---

[1] اس معنی کی تعیین "فالتمسنا" (تو ہم نے اسے تلاش کیا) سے بھی ہوتی ہے۔

کرنے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا "زید بن ثابت" فرمایا تو عربیت میں سب سے فائق کون ہے۔ عرض کیا گیا۔ سعید بن العاص۔ فرمایا تو سعید لکھائیں اور زید لکھیں چنانچہ حضرت زید نے لکھا۔ اور اس مصحف کے ساتھ اور بھی مصاحف لکھے گئے جنہیں حضرت عثمان نے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ میں نے بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حضرت عثمان نے اچھا کیا۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲)

ابن ابی داؤد اور مستدرک حاکم کی ایک اور روایت حضرت مصعب بن زید ہی سے ہے اس میں یوں ہے۔

عزمت علی من عندہ شئی من القرآن سمعہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما اتانی بہ فجعل الرجل یاتیہ باللوح والکتف والعسب فیہ الکتاب فمن اتاہ بشئی قال انت سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(کنز العمال ج اص ۲۸۳)

میں نے ہر شخص پر لازم کیا کہ جس کے پاس قرآن کا کوئی ایسا حصہ ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہو تو اسے لے آئے۔ آدمی تختی، اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی ہڈی اور درختِ خرما کی شاخ لاتا جس میں قرآنی نوشتہ ہوتا۔ جو بھی ان کے پاس کچھ لاتا اس سے فرماتے کیا تم نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے؟

(۴) ابن ابی داؤد نے امام محمد بن سیرین سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے کثیر بن افلح نے بیان کیا کہ وہ بھی مصاحف کی کتابت میں شامل تھے تو بسا اوقات آیت میں لوگوں کا اختلاف ہوتا تو اسے مؤخر کر دیتے۔ میں نے کثیر سے پوچھا مؤخر کیوں کرتے؟ فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں۔ مجھے اس کی ایک وجہ سمجھ میں آتی ہے اسے یقینی وجہ نہ قرار دے لینا۔ میرا گمان یہ ہے کہ جب اختلاف ہوتا تو اسے اس لیے مؤخر کر دیتے کہ دیکھیں قرآن کے دورۂ اخیرہ کی نسبت سب سے جدید و قریب کون ہے؟ تاکہ اسی کے قول

قرآنی بھی جمع کیے اور حفاظ و قرا کی طرف بھی موقع بموقع رجوع کیا. رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرائی ہوئی یادداشتوں کے بارے میں اگرچہ ہمیں اب تک کوئی واضح، صریح اور مفصل روایت نہ ملی. مگر ظاہر ہے کہ جب اتنی تمام تحقیقات فرمائیں تو یقیناً صدیقی صحیفوں کے ساتھ وہ یادداشتیں بھی سامنے رکھی ہوں گی. اس لیے کہ یہ سب سے معتمد اور سب کا ماخذ تھیں. ہاں اس پر ایک دلیل وہی نقدت آیۃ من الاحزاب ہے جس سے تفصیلی استدلال ابھی گزرا.

روایات

① ابن ابی داؤد اور ابن عساکر نے حضرت مصعب بن سعد سے روایت کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا. اے لوگو! تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کو ابھی صرف تیرہ سال گزرے اور تمہارا حال یہ ہے کہ قرآن میں شک لاتے ہو. کہتے ہو. اُبی کی قراءت. عبداللہ کی قراءت. کوئی کہتا ہے بخدا تمہاری قراءت درست نہیں.

فاعزم علی کل رجل منھم کان معہ من کتاب اللہ شئی لما جاء بہ فکان الرجل یجیٔ بالورقۃ والادیم فیہ القرآن حتی جمع من ذٰلک اکثرہ ثم دخل عثمان فدعاھم رجلا رجلا فناشدھم اسمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو املاہ علیک فیقول نعم.

تو میں ہر اس شخص پر لازم کرتا ہوں جس کے پاس کتاب کا کوئی حصہ ہو کہ وہ اسے ضرور لے آئے تو آدمی ورق اور چرمی پارچہ لاتا جس میں قرآن ہوتا یہاں تک کہ حضرت عثمان نے اس میں سے اکثر جمع کر لیا. پھر اندر جا کر ایک ایک آدمی کو بلایا اور اسے قسم دی کہ کیا تم نے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے اور انہوں نے تمہیں املا کرایا ہے وہ کہتا "ہاں"!

جب اس سے فارغ ہوئے تو فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ کتابت

ج ۴ص ۱۹۴ طبع اول ۱۳۲۳ھ دائرۃ المعارف حیدر آباد)

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲)

پڑھائی تھی. وہ بتاتا اس اس طرح تو (اس کے بیان کے مطابق) لوگ لکھتے اور پہلے سے اس آیت کے لئے جگہ چھوڑے ہوتے.

ان روایات سے ظاہر ہے کہ عہد عثمانی میں صدیقی صحیفوں سے مصاحف تیار کرنے کے ساتھ مزید اطمینان اور تنقیح کامل کی خاطر دوسرے ذرائع تحقیق بھی عمل میں لائے گئے اور ہرگز اس میں کوئی قباحت نہیں کہ ایک معتمد نسخہ کے ہوتے ہوئے دوسرے ذرائع سے مزید اعتماد واطمینان حاصل کر لیا جائے جیسے عہد صدیقی میں باوجودیکہ کاتب وحی اور حضرات جامعین کے نزدیک قرآن غیر قرآن سے ممتاز اور ہر آیت متواتر ویقینی تھی. مگر اطمینان کامل اور احتیاط مزید کی خاطر عہد نبوی کے محفوظ نوشتے بھی پیش نظر رکھے گئے. لوگوں کے پاس جو اور نوشتے تھے وہ بھی جمع کیے گئے. ہر نوشتے اور ہر آیت کی تصدیق کے لیے دو دو شاہد بھی طلب کیے گئے. یوں ہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر صرف صحف صدیقی سے نقل پر اکتفا کر لیتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا. مگر انہوں نے مزید تحقیق اور اطمینان کے لیے دوسرے نوشتے بھی جمع کیے. حسب ضرورت حفاظ اور قرا سے بھی رجوع کیا. عہد رسالت کی یادداشتیں بھی پیش نظر رکھیں. قریباً چودہ پندرہ برس کا عرصہ گزر جانے کے بعد ان یادداشتوں میں سے اس وقت سورۂ احزاب کی ایک آیت من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ کھو گئی تھی. مگر پھر حضرت خزیمہ صاحب شہادتین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے وہ آیت عہد رسالت ہی کی تحریر شدہ حاصل ہو گئی. پھر مصحف شریف میں اپنے مقام پر ثبت کی گئی.

اس تفصیلی بحث سے معلوم ہوا کہ ہرگز صحف صدیقی میں بھی کسی آیت کی کمی نہ تھی حفظ الٰہی کے زیر عنایت صدیقی صحیفے بھی تام وکامل تھے اور مصحف عثمانی بھی. نہ اس وقت کوئی آیت چھوٹی. نہ اس وقت کوئی آیت چھوٹنے کا امکان.

پر اسے لکھیں۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲)

(۴) ابن ابی داؤد، ابن الانباری، اور امام ابوجعفر طحاوی اپنی سند کے ساتھ ابوقلابہ سے راوی ہیں (الفاظ طحاوی کے ہیں)

قال حدثنی رجل من بنی عامر یقال له انس بن مالك قال اختلفوا فی القرآن علی عهد عثمان حتی اقتتل الغلمان والمعلمون فبلغ ذٰلك عثمان فقال عندی یکذبون به ویختلفون فیه فمن نأی عنی کان اشد تکذیبا وبخابة، اصحاب محمد اجتمعوا فاکتبوا للناس (اماما) قال فکتبوا فحدثوا انهم کانوا اذا تماروا فی اٰیة قالوا هٰذه الاٰیة اقرأها رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فلانا. فیرسل الیه وهو علی راس ثلاث من المدینة فیقال کیف اقرأك رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کذا وکذا فیقول کذا وکذا. فیکتبونها وقد ترکوا لها مکانا.

(مشکل الآثار للامام ابی جعفر الطحاوی

انہوں نے فرمایا بنی عامر کے ایک آدمی نے مجھ سے حدیث بیان کی۔ انہیں انس بن مالک کہا جاتا تا فرمایا عہد عثمانی میں قرآن کے اندر لوگوں نے باہم اختلاف کیا یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین آئے تو حضرت عثمان کو اس کی خبر پہنچی انہوں نے فرمایا میرے پاس لوگ اسے جھٹلاتے اور اس میں اختلاف کرتے ہیں جو مجھ سے دور ہیں وہ تو اور ہی زیادہ تکذیب و اختلاف میں مبتلا ہوں گے اے اصحاب رسول! مجتمع ہو کر لوگوں کے لئے ایک مصحف امام لکھ دو۔ انس بن مالک نے فرمایا۔ تو لوگوں نے مصحف لکھا لوگوں نے بیان کیا کہ جب کسی آیت میں ان کا اختلاف ہوتا تو کہتے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فلاں کو پڑھائی تھی۔ اس کے پاس خبر بھیجی جاتی۔ اور وہ مدینہ سے تین دن کی دوری پر ہوتا تو کہا جاتا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فلاں فلاں آیت کیوں کر

ماعندکم. — اسے مٹا دیا. تمہارے پاس جو ہے اُسے تم بھی مٹا دو.

والمحوا عم ان یکون بالغسل اوالتحریق ـــ واکثرالروایات صریح فی التحریق فھوالذی وقع. (ص ۱۷ ج ۹) — مٹانا دونوں طرح ہوسکتا ہے دھو کر بھی اور جلا کر بھی ـــ اور اکثر روایات میں نذر آتش کرنے کا صراحۃً ذکر ہے تو ہوا یہی ہے.

مثلاً بخاری نے باب خلق افعال العباد میں ابن ابی داؤد اور ابن الانباری نے مصاحف میں مصعب بن سعد سے روایت کی ہے.

قال ادرکت الناس متوافرین حین حرق عثمان المصاحف فاعجبھم ذلک ولم ینکر ذلک منھم احد. (کنزالعمال ج ۲ ص ۲۸۱) — میں نے بکثرت لوگوں کو اس وقت پایا جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف نذر آتش کرائے. سب نے اسے پسند کیا. اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا.

ابن ابی داؤد اور طبرانی وغیرہما نے شعیب سے روایت کی ہے.

وامرھم ان یحرقوا کل مصحف یخالف المصحف الذی ارسل بہ. — حضرت عثمانؓ نے ہر وہ مصحف نذر آتش کرنے کا حکم دیا جو ان مصاحف کے خلاف تھا جنہیں بلاد اسلامیہ میں بھیجا گیا.

بُکیر بن اشجّ کی روایت میں ہے.

فامر بجمع المصاحف فاحرقھا ثم بث فی الاجناد التی کتبت. — دیگر مصاحف جمع کر کے نذر آتش کرائے. پھر نئے کتابت شدہ مصاحف لشکروں میں بھیجے.

سوید بن غفلہ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے. انہوں نے فرمایا.

لا تقولوا لعثمان فی احراق المصاحف الاخیرا. — مصاحف نذر آتش کرانے سے متعلق عثمانؓ کو خیر کے سوا کچھ نہ

حدیث کا صحیح معنی و مفہوم متعین کیے بغیر نقصِ قرآن کے شکوک و اوہام پیدا کرنا کوئی کمال نہیں۔ قرآن کریم رب العلمین کی وہ مقدس کتاب ہے جو ہر زمانہ اور ہر دور میں نقص و کمی، اضافہ و زیادتی اور ترمیم و تحریف سے محفوظ رہی اور ہمیشہ محفوظ رہے گی۔

بے جا اوہام و شبہات پیش کر کے توراۃ و انجیل کی خود کردہ تحریفات پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ جو جرم واقعی ہے وہ نمایاں ہی رہے گا اور جس میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں وہ بھی اپنی تمام تر نزاہت و حقانیت کے ساتھ ابد تک جلوہ گر رہے گا۔

اِحراق مصاحف کی روایات

تدوینِ ثالث کی تفصیل میں حضرت انس بن مالک کی منقولہ روایت کا آخری جملہ یہ ہے۔

وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق۔

اس کے علاوہ کسی صحیفے یا مصحف میں جو کچھ قرآن تھا حضرت عثمان نے اُسے نذرِ آتش کرا دیا۔

فتح الباری میں ہے۔

فی روایۃ الاکثرین ان یخرق بالخاء المعجمۃ۔

صحیح بخاری کے اکثر راویوں کے نزدیک "ان یخرق" خائے معجمہ کے ساتھ ہے۔

اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ انہوں نے باقی سب کو پاک کرا دیا۔ لیکن اسی فتح الباری میں آگے یہ ہے۔

وفی روایۃ ابی قلابۃ فلما فرغ عثمان من المصحف کتب الی اھل الامصار انی قد صنعت کذا وکذا ومحوت ما عندی فامحوا

ابو قلابہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عثمان مصحف کی تدوین سے فارغ ہوئے تو اہلِ بلاد کو لکھا کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے اور جو میرے پاس تھا

وانما اختار الاحراق لانه یزیل الشك فی کونه ترك بعض القرآن اذ لو کان قرآنا لم یجوز مسلم ان یحرقه۔

(مرقاۃ ج ۲ ص ۶۳۱)

جاسکتا تھا۔ اور انہوں نے جلانے ہی کو اس لیے ترجیح دی کہ اس سے یہ شبہہ دور ہوجاتا ہے کہ انہوں نے کچھ قرآن چھوڑ دیا کیونکہ اگر وہ قرآن (غیر منسوخ) ہوتا تو کوئی مسلمان اُسے جلانا روا نہ رکھتا۔

امام قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

غسلوها بالماء ثم احرقوها مبالغة فی اذهابها۔

لوگوں نے پہلے اسے پانی سے دھو لیا پھر جلایا، تاکہ اچھی طرح تلف ہوجائے۔

علامہ محمود عینی فرماتے ہیں۔

وقیل هذا کان فی ذالك الوقت واما الأن فالغسل اولیٰ اذا دعت الحاجة الی ازالته وقال اصحابنا الحنفیة ان المصحف اذا بلی بحیث لاینتفع به یدفن فی مکان طاهر بعید عن وطأ الناس.

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۹)

کہا گیا یہ اس وقت تھا، لیکن اب اگر ایسی ضرورت ہو تو دھونا ہی اولیٰ ہے ہمارے علمائے حنفیہ نے فرمایا جب مصحف اتنا بوسیدہ ہوجائے کہ اس سے فائدہ نہ حاصل ہوسکے۔ تو لوگوں کی پامالی سے دور کسی پاک جگہ دفن کر دیا جائے۔

علاءالدین محمد بن علی حصکفی لکھتے ہیں۔

المصحف اذا صار بحال لایقرء فیه یدفن کالمسلم۔

(درمختار ج ۱ ص ۱۵ مطبع نولکشور لکھنؤ)

جب مصحف اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس میں تلاوت نہ ہوسکے تو اسے "مسلم" کی طرح دفن کر دیا جائے۔

وہ مصاحف جن میں غیر قرآن، قرآن سے مخلوط تھا۔ یا قراءاتِ شاذہ، یا قراءاتِ منسوخہ تھیں۔ انہیں حضرت ذوالنورین نے صرف اس لیے نذرِ آتش کرایا کہ فتنۂ اختلاف بالکل فرو ہوجائے، اور آئندہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص ان مصاحف کو پیش کر

(فتح الباری ص ۱۷، ج ۹۔ عمدۃ القاری ص ۱۹ ج ۲۰) کہو۔

علامہ ابن حجر مزید فرماتے ہیں۔

ویحتمل وقوع کل منهما بحسب مارأی من کان بیدہ شئ من ذلك.

ہوسکتا ہے دھویا بھی گیا ہو، نذرِ آتش بھی کیا گیا۔ جس کے ہاتھ میں صحیفہ یا مصحف تھا اس نے جیسا خیال کیا ہو عمل میں لایا۔

جوازِ احراق مصحف جلانا جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں۔

واختلف العلماء فی ورق المصحف البالی اذا لم یبق فیه نفع ان الاولیٰ هو الغسل او الاحراق. فقیل الثانی. لانه یدفع سائر صور الامتهان بخلاف الغسل فانه تداس غسالته وقیل الغسل۔ و تصب الغسالة لان الحرق فیه نوع اهانة.

(مرقاۃ ج ۲ ص ۶۳۱)

مصحف کا بوسیدہ ورق جس سے کوئی فائدہ نہ رہ گیا ہو اس کے بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ اُسے دھو ڈالنا بہتر ہے یا جلانا۔ ایک قول یہ ہے کہ جلانا بہتر ہے۔ کیونکہ دھونے میں ایک قسم کی اہانت یہ ہوگی کہ غسالہ پیروں سے روندا جائے گا۔ اور جلانے میں اس طرح کی کوئی اہانت نہیں ہوسکتی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دھونا بہتر ہے غسالہ کو کسی پاک جگہ میں بہا دیا جائے گا کیونکہ جلانے میں ایک طرح کی اہانت ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت عثمانؓ نے جلانے ہی کو ترجیح کیوں دی۔ مرقات میں ہے۔

صنیعه کان بما ثبت انه لیس من القرآن او مما اختلط به اختلاطا لا یقبل الانفکاك

حضرت عثمانؓ نے نذرِ آتش اُسے کرایا جو قرآن نہ تھا، یا قرآن سے اتنا خلط ملط ہو گیا تھا کہ اسے جدا نہیں کیا

ترتیبِ آیات وسُوَر

اوراقِ گزشتہ میں یہ ذکر ہوا ہے کہ عہدِ رسالت کی تدوین میں ترتیبِ آیات نہ تھی۔ تدوینِ ثانی میں ترتیبِ آیات کا کام ہوا۔ اور تدوینِ ثالث میں سورتوں کے درمیان بھی ترتیب قائم ہو گئی۔

یہاں ایک اہم بحث یہ ہے ۔ کہ یہ آیات اور سورتوں کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم و توقیف سے ہوئی۔ یا اجتہادِ صحابہ سے ؟ ۔ یہ بحث دو حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ ترتیبِ آیات ۔ ترتیبِ سُوَر ۔

ترتیبِ آیات

بے شمار نصوص اور اجماعِ امت سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔ اور وحیِ الٰہی بحکم رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مطابق تمام آیات کی تدوین ہوئی ہے ۔

نصوص

(۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔

کنا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نؤلف القرآن فی الرقاع. (مستدرک، ترمذی)	ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس چرمی پارچوں میں قرآن کی تالیف کرتے۔

اس کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں ۔

یشبہ ان یکون المراد تالیف ما نزل من الآیات المفرقۃ فی سورھا وجمعھا فیھا باشارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. (اتقان ج ۱ ص ۵۹ نوع ۱۸)	اس کا مناسب مطلب یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے الگ الگ آیتوں کو ان کی سورتوں میں ترتیب سے جمع کرتے۔

کے مسلمانوں کی جماعت میں پھر انتشار پیدا کرے. اور انہیں ایک زبان اور ایک قرآن پر مجتمع نہ رہنے دے.

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں.

ولهذا استدرك مروان الامر بعدها واعدمها ايضا خشية ان يقع لاحد توهم ان فيها ما يخالف المصحف الذى استقر عليه الامر.

اسی لیے بعد میں مروان نے اس کام کا استدراک اور تلافی مافات کی اور ان صحیفوں کو بھی تلف کرا دیا. اس اندیشے کے تحت کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ ان صحیفوں میں کوئی حصہ ایسا ہے جو اس مصحف کے خلاف ہے جس پر عملدر آمد مستقر ہو چکا ہے.

(فتح الباری ج ۹ ص ۱۷)

حضرت علی مرتضیٰ کی تائید

ابن ابی داؤد نے بسند صحیح حضرت سوید بن غفلہ سے روایت کی. انہوں نے فرمایا.

قال علی لا تقولوا فی عثمان الاخیرا فو الله ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملأ منا.

حضرت علی کا فرمان ہے کہ حضرت عثمان کے بارے میں کلمۂ خیر ہی کہو، کیونکہ انہوں نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا صرف اپنی رائے سے نہیں بلکہ ہماری ایک جماعت کے مشورے سے کیا.

(اتقان ص ۶۱)

ان ہی سے ایک روایت میں ہے.

لو ولیت لعملت بالمصحف الذی عمله عثمان.

میں خلیفہ ہوتا تو مصحف کے معاملہ میں وہی کرتا جو حضرت عثمان نے کیا.

قصتها شبيهة بقصتها فظننت انها منها فقبض رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولم يبين لنا انها منها فمن اجل ذالك قرنت بينهما ولم اكتب بينهما سطر بسم الله الرحمٰن الرحيم ووضعتها فى السبع الطوال.

(کنز العمال ج ا ص ۲۸۱)

مضمون دونوں سورتوں کا ملتا جلتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور حضور نے ہم سے بیان نہ فرمایا کہ یہ سورہ اسی سے ہے اب میں نے مضمون کی یکسانی سے یہی سمجھا کہ سورۂ براءت سورۂ انفال ہی سے ہے اس لیے میں نے دونوں کو متصل کر دیا۔ اور درمیان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہ لکھی اور اسے میں نے سات لمبی سورتوں میں رکھا۔

حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کر کے فرمایا۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد اس حدیث کی اِسناد صحیح ہے۔ (مستدرک ج ۲ ص ۲۲۱ و ۳۳۰)

④ متعدد احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مختلف سورتیں لوگوں کے سامنے پڑھنا ثابت ہے۔ حضرت حذیفہ کی حدیث میں بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھنا مذکور ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نے مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی۔ نسائی کی روایت ہے کہ حضور نے فجر میں قد افلح پڑھی۔ جب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر آیا۔ تو حضور کو کھانسی آئی اور رکوع کر دیا۔ طبرانی کی روایت ہے کہ نمازِ صبح میں سورۂ روم کی قراءت فرمائی۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ جمعہ کے دن کی نماز فجر میں الم تنزیل اور ھل اتیٰ علی الانسان کی قراءت فرماتے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ خطبہ میں سورۂ ق پڑھتے۔ مستدرک وغیرہ میں ہے کہ حضور نے جنوں کو سورۂ رحمٰن سنائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ کفار مکہ کو سورۂ والنجم سنائی اور آخر میں سجدۂ تلاوت کیا۔ مسلم میں ہے کہ عید و جمعہ میں ق کے ساتھ اقتربت کی بھی قراءت فرماتے۔

مستدرک میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ صف

② امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، ابن ابی داؤد، ابن الانباری ابوعبید، نحاس، ابن حبان، ابونعیم، ابن مردویہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

قلت لعثمان ما حملكم على ان عمدتم الى الانفال وهي من المثاني والى براءة وهي من المئين فقرنتم بينهما ولم تكتبوا بينهما سطر بسم الله الرحمٰن الرحيم و وضعتموها في السبع الطوال فقال عثمان كان رسول الله صلى الله عليه وسلم تنزل عليه السور ذات العدد فكان اذا نزل عليه الشئ دعا بعض من كان يكتب فيقول ضعوا هٰؤلاء الايات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا وكانت الانفال من اوائل ما نزل بالمدينة وكانت براءة من اٰخر القراٰن نزولا وكانت

میں نے حضرت عثمان سے عرض کیا آپ نے سورۂ انفال اور سورۂ براءت کے درمیان ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ نہ لکھ کر دونوں کو متصل کیوں کر دیا؟ حالانکہ انفال ”مثانی“[1] سے اور براءت ”مئین“[2] سے ہے۔ اور پھر انہیں ”سبع طوال“[3] میں کیوں شامل کر دیا؟ ــ تو حضرت عثمان نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوتی رہتیں، جب کوئی وحی نازل ہوتی تو حضور کسی کاتب وحی کو بلا کر حکم فرماتے کہ یہ آیات اس سورہ میں لکھ لو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے ــ اور سورۂ انفال مدینہ میں ابتداءً نازل شدہ سورتوں سے تھی اور سورۂ براءت نزول میں قرآن کی آخری سورہ تھی اور

---

[1] تا [3] ایک قول پر

سبع طوال ــ سات لمبی سورتیں جن میں پہلی بقرہ اور آخری براءت ہے۔

مئین ــ طوال کے بعد کی سورتیں کیونکہ وہ تقریباً (مأة) سو آیات پر مشتمل ہیں۔

مثانی ــ مئین کے بعد کی سورتیں۔ جو تعداد آیات میں مئین کے قریب اور ان کی ثانی ہیں۔

آية كذا فى موضع كذا وقد حصل اليقين من النقل المتواتر بهذا الترتيب من تلاوة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ومما اجمع الصحابة على وضعه هكذا فى المصحف.

(الاتقان ج ا ص ۶۳)

آیت فلاں جگہ لکھو یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل متواتر اور صحابہ کے اسی کو مصاحف میں ثبت رکھنے سے قطعی و یقینی ہو چکی ہے۔

امام مکی اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں۔

ترتيب الآيات فى السور بامر النبى صلى الله تعالى عليه وسلم ولما لم يأمر بذلك فى اول براءة تركت بلا بسملة.

(اتقان نوع ۱۸ ص ۶۲)

سورتوں میں آیات کی ترتیب حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور چونکہ سورۃ براءت کے شروع میں بسم اللہ کے متعلق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نہ دیا اس لیے وہ بغیر بسملہ ہی رہی۔

ان احادیث اور علمائے امت کی عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آیات کی ترتیب توقیفی اور مطابقِ وحی ہے۔ دورِ صحابہ سے لے کر اس زمانے تک امت کا اسی ترتیب پر اجماع قائم ہے۔

نازل ہوئی تو پوری سورہ حضور نے لوگوں کو پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح مفصل (سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک) کی متعدد سورتوں کا صحابۂ کرام کی موجودگی میں پڑھنا ثابت ہے یوں ہی اور بھی احادیث ہیں جن میں سرکار سے آیات کی باترتیب تلاوت یا چند آیات کے یکجا ذکر کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

جب مجمعِ صحابہ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ قراءتیں ہوئی ہیں تو یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ صحابۂ کرام اس کے علاوہ کسی اور ترتیب کی اختراع فرمائیں گے۔ یا اگر کوئی شخص ایسا کر دے تو اسے تمام صحابہ مان لیں گے۔ بس عہد صدیقی کی تدوین اور اس پر تمام صحابہ کے عمل اور قبولِ عام سے یہ امر حد تواتر تک پہنچ جاتا ہے کہ آیات کی ترتیب، توقیفی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اجماع متعدد ائمۂ فن نے ترتیبِ آیات کے توقیفی ہونے پر اِجماع نقل کیا ہے۔ زرکشی برہان میں اور ابوجعفر بن زبیر مناسبہ میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ مؤخرالذکر کے الفاظ یہ ہیں۔

ترتیب الآیات واقع بتوقیفہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و امرہ من غیر خلاف فی ھذا بین المسلمین۔

(اتقان ج ۱ نوع ۱۸ ص ۶۲)

بلا اختلافِ مسلمین یہ امر ثابت ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توقیف اور ان کے حکم کے مطابق ہے۔

ابن حصار فرماتے ہیں۔

ترتیب السور و وضع الآیات مواضعھا انما کان بالوحی کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول ضعوا

سورتوں کی ترتیب اور آیات کو ان کے مقام پر رکھنے کا کام وحی ہی کے ذریعہ ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم دیتے تھے۔ فلاں

جمع کفیہ ثم نفث فیھما فقرأ قل ھواللہ احد۔ و المعوذتین۔

تو اپنی ہتھیلیاں جمع کرتے پھر ان میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھ کر دم کر لیتے۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں :۔

ان کثیرا من السور کان قد علم ترتیبھا فی حیاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کالسبع الطوال والحوامیم والمفصل۔

بہت سی سورتوں کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں معلوم ہو چکی تھی۔ جیسے ساتوں لمبی سورتیں اور وہ سورتیں جن کے شروع میں حٰم ہے اور مفصل۔

ابن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں :۔

الآثار تشھد باکثر مما نص علیہ ابن عطیۃ ویبقی منھا قلیل یمکن ان یجری فیہ الخلاف۔

ابن عطیہ نے جن سورتوں کا ذکر کیا ہے آثار ان سے زیادہ کی ترتیب معلوم ہو جانے پر شاہد ہیں۔ کچھ رہ جاتی ہیں جن میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

(٢) امام بیہقی مدخل میں فرماتے ہیں :۔

کان القرآن علی عھد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرتبا سورہ وآیاتہ علی ھذا الترتیب الا الانفال وبراءۃ لحدیث عثمان السابق.

(اتقان نوع ١٨ ص ٦٣ ج ١)

قرآن کی سورتیں اور آیات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی ترتیب پر تھیں۔ صرف انفال اور براءت مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ حضرت عثمان کی گزشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

امام بیہقی کا یہ استثنا غیر صحیح ہے۔ حضرت عثمان کی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ تمام سورتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان موجود تھا کہ

سورتوں کی ترتیب

سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اگرچہ جمہور کا خیال یہ ہے کہ یہ ترتیب صحابہ نے اپنے اجتہاد سے رکھی ہے مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ ترتیبِ سُوَر بھی توقیفی اور تعلیم رسول علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے مطابق ہے۔

محققین کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں سورتوں کے درمیان بھی ایک خاص ترتیب ضرور تھی۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مجمعِ صحابہ میں متعدد سورتیں ایک ساتھ بہ ترتیبِ خاص پڑھنا یا بتانا ثابت ہے مثلاً مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔

اقرأوا الزھراوین البقرۃ وآل عمران۔ — دونوں روشن تر سورتیں۔ بقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔

مصنّفِ ابن ابی شیبہ میں سعید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قرأ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالسبع الطوال فی رکعۃ۔ — ساتوں لمبی سورتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں پڑھیں۔

اسی میں ہے۔

انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یجمع المفصل فی رکعۃ۔ — حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مفصل ایک رکعت میں پڑھا کرتے۔

صحیح بخاری میں ہے۔

انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا اوی الی فراشہ — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بستر پر آرام کے لیے تشریف لاتے

الرحیم کتبت سورۃ اخری فنزلت الانفال ولم تکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (کنزالعمال ج ۱ ص ۲۸۰)	نازل ہوتی تو دوسری سورہ لکھی جاتی۔ مگر انفال نازل ہوئی تو اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی گئی۔ (اس لیے کہ سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہی نہ ہوئی)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے براءت بعد انفال تھی۔ مگر دونوں کے درمیان چونکہ بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس لیے نہ لکھی گئی۔ البتہ انفال و توبہ کے درمیان فصل بسم اللہ نہ ہونے کے باعث براءت کو انفال سے ایک قسم کا تعلق و اتصال اور مشابہت ہے۔ جیسے اجزا کو مجموعے سے مشابہت ہوتی ہے۔ یہ مطلب بھی نہیں کہ براءۃ حقیقۃً جزءِ انفال ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس سورہ کا علیحدہ نام نہ ہوتا۔

الغرض تمام سورتوں کے مقامات وہی ہیں جن میں وہ سورتیں ثبت ہیں اور سورتوں کے یہ مقامات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بتواتر منقول ہیں۔ لہٰذا انفال و براءت کا معاملہ دوسری سورتوں سے مختلف کہنا اور ان کی ترتیب کو بجائے توقیفی کے اجتہادی قرار دینا صحیح نہیں۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت از ملا بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی ص ۱۰ ،ا ج ۲ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء ذوالحجہ وجنوری)

کنز العمال کی روایات دیکھنے کے بعد ہی امام بیہقی کے استثنا کی عدم صحت میرے نزدیک واضح ہوگئی۔ پھر دیکھا کہ ملا بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں اسے تفصیلاً تحریر فرمایا ہے اس لیے ان ہی کے حوالے سے لکھنا مناسب سمجھا۔ والحمد للہ۔

(۴) فتح الباری میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

ومما یدل علی ان ترتیبھا	ترتیب سُوَر کے توقیفی ہونے پر ایک

فلاں فلاں مقام پر لکھی جائیں. مگر انفال و براءت کے متعلق کوئی حکم نہ تھا. نہ سوالِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ غرض ہے. نہ جوابِ حضرت عثمان کا یہ مقصود.
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور انہوں نے ہمیں یہ نہ بتایا کہ سورہ توبہ (براءت) انفال ہی میں شامل ہے یا اس سے الگ ہے. اس جواب سے انہوں نے کنایۃً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے براءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا حکم نہ دیا اس لیے نہ لکھی گئی.
اس کی دلیل یہ ہے خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاکم نے مستدرک میں، ابو جعفر نحاس نے ناسخ میں، سعید بن منصور نے سنن میں اور خود امام بیہقی نے بھی روایت کی ہے.

قال کانت الانفال وبراءۃ تدعیان فی زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القرینتین فلذلک جعلتھما فی السبع الطوال.

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱)

حضرت عثمان نے فرمایا انفال اور براءت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں "قرینتین" (دونوں متصل سورتیں) کہا جاتا، اسی لیے میں نے ان دونوں کو سبع طوال میں رکھا.

دار قطنی اور ابن ابی شیبہ نے عسعس بن سلامہ سے روایت کی ہے.

قال قلت لعثمان یا امیر المؤمنین ما بال الانفال وبراءۃ لیس بینھما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قال کانت تنزل السورۃ فلا تزال تکتب حتی ینزل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فاذا جاءت بسم اللہ الرحمٰن

انہوں نے فرمایا میں نے حضرت عثمان سے عرض کیا. اے امیر المؤمنین انفال اور براءۃ کا کیا معاملہ ہے کہ دونوں کے بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں؟ فرمایا سورۃ نازل ہوتی تو اس کی کتابت ہوتی رہتی یہاں تک کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہو. جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سجدہ، احزاب، سبا، فاطر، یٰس، چھٹی منزل، تیرہ سورتوں پر، صافات، ص زمر، مؤمن، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فتح، حجرات، اور ساتویں منزل، سورۂ قٓ سے آخر قرآن تک پر مشتمل تھی۔

منزلوں اور سورتوں کی یہ ترتیب بعینہٖ وہی ہے جو آج رائج ہے، اسی لیے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

فهذا يدل على ان ترتيب السور على ما هو فى المصحف الآن كان على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ويحتمل ان الذى كان مرتبا حينئذ حزب المفصل خاصة بخلاف ما عداه۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶)

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ سورتوں کی جو ترتیب مصحف میں آج ہے وہی ترتیب عہد رسالت میں بھی تھی، ہاں یہ ممکن ہے کہ باضابطہ صرف منزل مفصل کی ترتیب دی گئی ہو، اور بقیہ کی اس وقت اس طرح باضابطہ تدوین و ترتیب نہ رہی ہو۔

(۴) متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال ماہ رمضان میں حضرت جبرئیل کے ساتھ نازل شدہ قرآن کا دور کرتے، اور زندگی کے آخری رمضان میں دو بار قرآن کا دور کیا۔ تدوین صحابہ اُسی دورۂ اخیرہ کے مطابق ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔

اسرّالى ان جبرئيل كان يعارضنى القرآن كل سنة مرة وانه عارضنى العام مرتين ولا اراه الا حضر اجلى وانك

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے رازدارانہ فرمایا جبرئیل میرے ساتھ ہر سال ایک بار قرآن کا دور کرتے اس سال دو بار میرے ساتھ

توقيفي ما اخرجه احمد و ابوداؤد عن اوس بن ابي اوس عن حذيفة الثقفي. قال كنت في الوفد الذين اسلموا من ثقيف (الحديث) وفيه فقال لنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم طرأ علىّ حزب من القرآن فاردت ان لا اخرج حتى اقضيه، فسألنا اصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قلنا كيف تحزبون القرآن؟ قالوا نحزبه ثلاث سور، و خمس سور، وسبع سور، و تسع سور، واحدى عشرة وثلاث عشرة، وحزب من ق حتى نختم.

دلیل وہ حدیث بھی ہے جو احمد اور ابوداؤد نے بطریق اوس بن ابی اوس حضرت حذیفہ ثقفی سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا میں بنی ثقیف کے اس وفد میں تھا جو اسلام لایا۔ اسی طویل حدیث میں یہ حصہ ہے۔ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر قرآن کا ایک حصہ (قرآنی منزل) وارد ہوا میں نے چاہا کہ اسے پورا کرنے سے پہلے باہر نہ آؤں۔ ہم نے صحابۂ کرام سے دریافت کیا۔ آپ لوگ قراءت کے لیے کس طرح قرآن کی منزلیں مقرر کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا تین سورتیں، پانچ سورتیں، سات سورتیں، نو سورتیں، گیارہ سورتیں، تیرہ سورتیں اور ایک حزب قٓ سے ختم تک اسی ترتیب سے قرآن ہم پڑھتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام عہد رسالت میں ختم قرآن کے لیے سات منزلیں مقرر کرتے تھے۔

پہلی منزل تین سورتوں پر مشتمل ہوتی۔ بقرہ، آل عمران، نساء، دوسری منزل پانچ سورتوں پر، مائدہ، انعام، اعراف، انفال، توبہ، تیسری منزل سات سورتوں پر، یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر، نحل، چوتھی منزل نو سورتوں پر، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مؤمنون، نور، فرقان پانچویں منزل، گیارہ سورتوں پر، شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان،

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۷) کے مطابق ہے۔

حاکم نے حضرت سمرہ سے بسند حسن روایت کی اور حاکم نے تو اسے صحیح بتایا ہے۔

عرض القرآن علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرضات ویقولون ان قراءتنا ھذہ ھی العرضۃ الاخیرۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کئی بار قرآن کا دور ہوا۔ اور صحابہ بتاتے ہیں کہ ہماری یہ قراءت وہی آخری دورۂ قرآن والی ہے۔

ابن اشتہ نے حضرت ابن سیرین سے بھی حضرت ابن عباس و سمرہ کے ہم معنی روایت کی ہے۔ ابن الانباری نے مصاحف میں ابو عبدالرحمن سلمی سے روایت کی ہے۔

کان قراءۃ ابی بکر وعمرو عثمان وزید بن ثابت والمھاجرین والانصار واحدۃ[عـه] وھی التی قرأھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی جبرئیل مرتین فی العام الذی قبض فیہ۔ وکان زید شھد العرضۃ الاخیرۃ وکان یقرئ الناس بھا حتی مات ولذلک اعتمدہ الصدیق فی جمعہ وولاہ عثمان کتبۃ المصاحف۔

حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، زید بن ثابت، مہاجرین اور انصار کی قراءت ایک ہی تھی۔ اور یہ وہی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سالِ وفات حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سامنے دو بار پڑھی۔ اور حضرت زید قرآن کے دورۂ اخیرہ میں حاضر تھے۔ اور لوگوں کو اپنی وفات تک وہی قراءت کراتے تھے اسی لیے حضرت صدیق نے اپنی تدوین میں ان پر اعتماد کیا۔ اور حضرت عثمان نے کاتبینِ مصاحف کا سربراہ انہی کو بنایا۔

(قسطلانی ج ۱، ص ۲۵۹)

ابو عبید نے داؤد بن ہند سے روایت کی ہے۔

عـه کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۴۔

اول اهل بیتی لحاقا بی۔
(بخاری باب علامات النبوۃ ج ۱ ص ۵۱۲)

دور کیا ہے۔ اس سے میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا وقت اجل قریب آ چکا ہے اور میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی۔

صحیح بخاری، جامع ترمذی، اور سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجود الناس بالخیر وکان اجود ما یکون فی رمضان، کان جبریل یلقاہ کل لیلۃ فی رمضان یعرض علیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القرآن، فاذا لقیہ جبریل کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ۔

انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیر میں سب سے زیادہ سخی تھے، اور ان کی سخاوت رمضان میں اور بھی زیادہ ہوتی، جبرئیل ان سے رمضان کی ہر شب میں ملتے۔ ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کا دور کرتے۔ تو جب جبرئیل ان سے ملتے تو ان کا فیضان کرم، نفع عام کے لیے بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ ہوتا۔

امام بخاری و مسلم و نسائی و ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

قال کان یعرض علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم القرآن کل عام مرۃ فعرض علیہ مرتین فی العام الذی قبض۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہر سال قرآن کا ایک بار دور ہوتا، تو جس سال سرکار نے وفات پائی دوبار "دورہ قرآن" ہوا۔

امام احمد، ابن ابی داؤد، اور طبری نے بطریق عَبیدہ بن عمرو سلمانی روایت کی ہے۔

ان الذی جمع علیہ عثمان الناس یوافق العرضۃ الاخیرۃ۔

حضرت عثمان نے جس زبان و قرآن پر لوگوں کو جمع کیا ہے وہ دورۂ اخیرہ

المسبحات ولاء واخرت طس عن القصص۔ (اتقان ج ۱ ص ۶۵)

ترتیب اجتہادی ہوتی تو مسبحات (کلمہ تسبیح والی سورتیں) مسلسل ہوتیں۔ اور "طس نمل" "طسم قصص" کے بعد ہوتی۔

اسی معنی کے قریب علامہ قسطلانی نقل فرماتے ہیں۔

قال بعضهم لترتيب وضع السور فی المصحف اشياء تطلعك علی انه توقيفی صادر عن حكيم۔ (ارشاد الساری ج ۷ ص ۳۶۳)

مصحف میں کتابتِ سور کی ترتیب پر کچھ ایسے شواہد ہیں۔ جن پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ ترتیب توقیفی اور بلاشبہ ایک حکمت والے کی طرف سے صادر ہے۔

توقیفی ہونے پر یہ چند امور دال ہیں۔

(۱) حروف کی یکسانیت، جیسے حم والی سورتوں میں۔

(۲) ہر سورہ کا شروع اس سے پہلی سورہ کے آخر سے معنوی موافقت رکھتا ہے۔ جیسے الحمد کا آخر اور بقرہ کا شروع ایک دوسرے سے مناسبت رکھتا ہے۔

(۳) وزن لفظی کی مناسبت جیسے آخر تبت اور اوّل اخلاص۔

(۴) مجموعی طور پر بھی ایک سورہ دوسری سے مشابہت رکھتی ہے جیسے والضحیٰ اور الم نشرح۔ (ایضاً)

علامہ قسطلانی نے اس کے علاوہ مزید باتیں بھی بیان کی ہیں۔ اور آیات و سُوَر کی باہمی مناسبت تفسیر کبیر وغیرہ میں تو ہر جگہ مفصل طور پر بیان کی گئی ہے۔

علامہ بقاعی کی اس موضوع پر مستقل تصنیف ہے: "نظم الدرر فی مناسبة الآی والسُّوَر" اب تک اس کی آٹھ جلدیں دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع ہوئی ہیں اور سلسلہ جاری ہے۔

ان بیانات کا مفاد یہی ہے کہ ترتیبِ سُوَر توقیفی اور تعلیمِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہے۔ بعینہٖ یہی ترتیب لوحِ محفوظ کی بھی ہے۔

علامہ کرمانی برہان میں فرماتے ہیں۔

قال قلت للشعبی قوله تعالیٰ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن اما کان ینزل علیه فی سائر السنة قال بلیٰ ولکن جبرئیل کان یعارض مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی رمضان ما انزل اللہ فیحکم اللہ ما یشآء وینسخ ما یشاء فکان السر فی عرضه مرتین فی سنة الوفاة استقراره علی ما کتب فی المصحف العثمانی والاقتصار علیه وترک ما عداه۔

(قسطلانی ج ۷، ص ۳۶۴)

انہوں نے کہا میں نے امام شعبی سے عرض کیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا تو کیا قرآن باقی سال میں نہیں اترتا تھا! انہوں نے فرمایا کیوں نہیں! لیکن حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ماہ رمضان میں، نازل شدہ قرآن کا دور کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا محکم فرماتا اور جسے چاہتا منسوخ فرماتا۔ سالِ وفات دو بار دور ہونے میں یہی راز تھا کہ قرآن اسی پر مستقر ہو جائے جو (بعد میں) مصحفِ عثمانی میں لکھا گیا اسی پر اقتصار ہو اور اس کے علاوہ کو ترک کر دیا جائے۔

⑤ علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی فرماتے ہیں۔

ومما یدل علی انه توقیفی کون الحوامیم رتبت ولاء، وکذا الطواسین ولم ترتب المسبحات ولاء بل فصل بین سورها وفصل بین طسم الشعراء وطسم القصص بطس مع انها اقصر منها — ولو کان الترتیب اجتهادیا لذکرت

ترتیب سُوَر کے توقیفی ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ "حٰمٓ" اور "طٰسٓ" والی سورتیں مسلسل مرتب کی گئیں۔ مگر جن سورتوں کے شروع میں سبح کا کلمہ ہے وہ مسلسل نہیں، بلکہ ان میں فصل ہے اور "طٰسٓمٓ شعراء" اور "طٰسٓمٓ قصص" کے درمیان "طٰسٓ نمل" رکھی گئی ہے حالانکہ یہ "طٰسٓ" ان دونوں سے چھوٹی ہے۔ اگر

توقیفی ایضا و ان کانت مصاحفهم مختلفة قبل العرضة الاخیرة التی علیها مدار جمع عثمان.

(مرقات ج ۲ ص ۶۳۳)

ترتیب توقیفی ہے۔ اگرچہ اُن کے مصاحف اُس آخری دورۂ قرآن سے پہلے مختلف تھے جس پر تدوینِ عثمانی کا دارو مدار رہا ہے۔

اور حضرت علیؑ کا مصحف تو محض اس لیے مختلف تھا کہ انہوں نے ترتیب قراءت کے مطابق اُسے لکھا ہی نہ تھا۔ بلکہ اُسے ترتیبِ نزول کے مطابق جمع کیا تھا۔ تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ کون سی سورہ پہلے اور کون بعد میں نازل ہوئی۔ تو یہ ایک علمی ترتیب ہوئی۔ واقعتہً اگر وہ ہوتا تو اُس سے ایک بڑا علم حاصل ہوتا۔ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت میں وہ کار آمد ہوتا۔ پھر مصحفِ عثمانی خود حضرت علیؑ کا تائید یافتہ ہے۔ صحابۂ کرام کے ساتھ وہ بھی شریکِ اجماع ہیں۔

علامہ قسطلانی تحریر فرماتے ہیں کہ ترتیبِ سُوَر کے اجتہادی اور توقیفی ہونے کے بارے میں علما کا اختلاف لفظی ہے۔ معنیً دونوں کا مآل ایک ہی ہے۔

لان القائل بالاول یقول انہ رمز الیهم ذلك لعلمهم باسباب نزوله ومواقع کلماته، ولذلك قال الامام مالك وانما الفوا القرآن علی ما کانوا یسمعونه من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم.

(ارشاد الساری ج ۷، ص ۳۶۳)

اس لیے کہ اجتہادی کے قائل بھی یہی کہتے ہیں کہ ترتیب کا معاملہ صحابہ کے سپرد کر دیا گیا اس لیے کہ وہ قرآن کے اسبابِ نزول اور اس کے کلمات کے مواقع سے اچھی طرح واقف تھے جب ہی تو امام مالک نے فرمایا کہ صحابہ نے قرآن کی تدوین اسی طرح کی ہے جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کرتے تھے۔

حالانکہ امام مالک ترتیبِ سُوَر کے اجتہادی ہونے کے قائل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف محض لفظی ہے کہ توقیفی کے قائلین یہ بتاتے ہیں کہ صحابہ نے سورتوں کی ترتیب حکمِ رسولؐ کے مطابق رکھی ہے۔ اور اجتہادی کے قائلین یہ

ترتیب السور ھکذا ھو عند اللہ فی اللوح المحفوظ علےٰ ھٰذا الترتیب وعلیہ کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یَعرِض علی جبریل کل سنۃ ما کان یجتمع عندہ منہ وعَرَضَہ علیہ فی السنۃ التی تُوُفّی فیہا مرتین وکان اٰخر الاٰیات نزولا (واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ) فامرہ جبریل ان یضعہا بین اٰیتی الربا والدین۔

(اتقان ج ۱ ص ۶۴)

سورتوں کی بعینہٖ یہی ترتیب لوح محفوظ میں بھی ہے۔ اور اسی ترتیب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے جب جبرئیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رمضان میں ملتے اور اسی ترتیب پر وفات کے سال دو بار دورۂ قرآن فرمایا، سب سے آخر میں (واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ (الاٰیۃ) نازل ہوئی۔ جسے حضرت جبرئیل نے آیت ربا اور آیت دَین کے درمیان رکھنے کو بتایا۔

جو لوگ ترتیبِ سُوَر کو اجتہادی بتاتے ہیں اُن کا عظیم استدلال یہ ہے کہ اگر ترتیبِ سُوَر اجتہادی نہ ہوتی تو مصاحفِ سلف میں اختلاف نہ ہوتا۔ مگر مصاحفِ سلف قرآن کے زمانۂ نزول کے ــــ اور آخری دورۂ قرآن سے پہلے کے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قرآن کی ترتیب آخری دورۂ قرآن کے موافق رکھی گئی۔ جو اس بارے میں اصل اور مرجع و معتمد ہے پھر اسی ترتیب پر صحابۂ کرام کا اجماع ہو گیا۔ لہٰذا اس سے پہلے کا اختلاف اس ترتیب کے اجتہادی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اور اُس اختلاف کی بنیاد پر عہد عثمانی کی تدوین کے توقیفی ہونے کا انکار درست نہیں ــــ

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الاصح ان ترتیب السور

صحیح تر یہی ہے کہ سورتوں کی بھی

وجہ سے وہ جناب "جامع القرآن" کہلائے۔ ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزۃ تعالیٰ شانہٗ ہے۔ کما قال عزمن قائل :۔ ان علینا جمعہٗ وقراٰنہٗ۔ (بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھنا)۔ اور بنظر ظاہر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسی رسالہ میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

سُوَرِ قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک وِعا (ظرف) میں مجتمع ہوگئی تھیں۔ اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تھا۔ مگر ہنوز تین کام باقی تھے۔

(۱) اُن مجموع (جمع کردہ) صحیفوں کا ایک "مصحف واحد" میں نقل ہونا۔

(۲) اُس مصحف کے نسخے معظم بلادِ اسلام، مملکتِ اسلامیہ کے عظیم عظیم قسمتوں میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافاتِ لہجہ کے آثار، کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے۔ اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی، اصلی مُنزّل من اللہ، ثابت مستقر، غیر منسوخ، محفوظ لہجے سے جدا تھے، دفعِ فتنہ کے لئے ان کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظِ حافظِ حقیقی، جامع ازلی جلّ جلالہٗ نے اپنے تیسرے بندے امیر المؤمنین، جامع القرآن، ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا۔ اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسب وعدۂ الٰہیہ تام وکامل ہوا۔ اس لیے اس جناب کو "جامع القرآن" کہتے ہیں۔

اعراب قرآن

خط عربی میں پہلے حرکات، سکون، تشدید اور نقطوں کا وجود نہ تھا۔ اس لیے قرآن میں بھی اعراب اور نقطے نہ تھے تعلمون۔ یعلمون۔ فتنم۔ فتم۔ سمر۔ شمر سب کی شکلیں یکساں

بتاتے ہیں کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم صریح نہ تھا بلکہ سورتوں کی ترتیب کا معاملہ صحابہ پر چھوڑ دیا گیا تھا اس لیے کہ صحابہ خود جانتے تھے کہ ہر سورہ اور قرآن کے ہر کلمہ کا مقام کہاں ہے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءت سن چکے تھے۔ چنانچہ اسی کے مطابق انہوں نے سورتوں کی ترتیب وتدوین رکھی۔ تو نتیجہ یہی نکلا کہ ترتیب سُوَر بہرحال محض اجتہادی نہیں بلکہ "حکم رسول" یا "قراءت رسول" علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہے۔

حضرت عثمان کا لقب جامعِ قرآن

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "جامع قرآن" کہا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا وہ جامع قرآن ہیں۔ مگر تفصیلات جاننے والا بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ایسا بھی نہیں کہ جمع قرآن میں ان کا کوئی دخل ہی نہ ہو۔ جمع قرآن کے سلسلے میں ان کا بھی نمایاں کردار ہے۔ لہٰذا بالکلیہ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سرے سے جامع قرآن ہی نہیں۔ جب خلق خدا قرن اول ہی سے ایک حقیقت کی بنیاد پر انہیں "جامع قرآن" کے لقب سے یاد کرتی آئی ہے تو سب کو خطا کار ٹھہرانا بھی مناسب نہیں۔ حضرت ذوالنورین بھی بلاشبہ اس لقب کے مستحق ہیں، لہٰذا انہیں اس لقب سے یاد کرنا صحیح ہے۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کا اس سلسلے میں ایک رسالہ ہے "جمع القرآن وَبِمَ عَزْوُہٗ لِعثمان"۔ اس میں فرماتے ہیں۔

"اصل جمع قرآن بحکم رب العزت، حسب ارشاد حضور پر نور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو لیا تھا۔ سب سُوَر کا یکجا کرنا باقی تھا۔ جو امیر المؤمنین صدیق اکبر نے بمشورۂ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا۔ پھر اسی جمع فرمودۂ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المؤمنین عثمان نے بمشورۂ امیر المؤمنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلادِ اسلام میں شائع کیے۔ اور تمام امت کو اصل لہجۂ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی اس

ضمہ کے لئے حرف کے اندر ایک نقطہ، اور تشدید کے لئے دو نقطے مقرر کیے۔

پھر خلیل بن احمد فراہیدی نے تشدید، مد، ہمزہ، جزم، وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں اور کسرہ، فتحہ، ضمہ (زیر، زبر، پیش) کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

جب اعراب اور نقطوں کے بعد بھی لوگوں نے قراءت میں غلطیاں دیکھیں تو اس کے حل پر بھی غور کیا۔ مگر سوائے اس کے کوئی حل نظر نہ آیا کہ لوگ قرّا، علما اور حفاظ سے زبانی طور پر اصلاح اور تعلیم و تلقین حاصل کریں۔

پھر علمائے امت نے علم حروف، علم اعراب، فن تجوید، اور علم قراءت مختلفہ میں باقاعدہ کتابیں لکھیں۔ تمام امور کی توضیح و تنقیح کی اور مشکلات کا ازالہ فرمادیا۔

قرآن الگ الگ سورتوں میں تو شروع ہی سے منقسم تھا۔ ایک حدیث گزری جس سے معلوم ہوا کہ سات منزلوں کی تعیین و تقسیم بھی عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی۔ پاروں کی تقسیم حجاج ہی کے زمانے میں ہوئی۔ اور مصحف میں منزلوں کے نشانات بھی اسی نے حسن اور یحییٰ بن یعمر سے لگوائے۔ دس آیات کے اختتام پر ایک علامت (ے) لگی ہوتی ہے۔ اس کی ایجاد مامون عباسی کے زمانے میں ہوئی۔ رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی۔ اس طرح کہ نماز تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکوع کیا کرتے اس کے اختتام پر کنارے یہ علامت (ع) لگا دی گئی۔

(تفسیر روح البیان از علامہ اسمٰعیل حقی م ۱۱۳۷ھ ج ۹ ص ۹۹ آخر سورۂ حجرات مطبع عثمانیہ استنبول ۱۹۲۶ء تفسیر نعیمی۔ از مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمہ م ۱۳۹۱ھ۔ مقدمہ)

قرآن کی سورتوں، آیتوں اور کلمات و حروف کی تعداد

ہوتیں۔ مگر یہ عرب کی قدرت زبان اور ان کے فہم کلام کا کرشمہ تھا کہ وہ ان سب کے بغیر اصلی حرف و حرکت کی تعیین کر لیتے، اور صحیح پڑھتے، مصحف عثمانی کی تدوین کے بعد بھی قریباً پچاس سال تک لوگ اسی طرح پڑھتے رہے جب مملکتِ اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو اکثر عجم اور بعض عرب سے بھی قراءت میں بہت سی غلطیاں ہونے لگیں۔ جس کے پیش نظر حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ہم شکل حروف میں امتیاز کرنے کے لئے علامات مقرر کی جائیں چنانچہ حضرت نصر بن عاصم لیثی نے نقطے ایجاد کیے۔ جس سے ہم شکل حروف میں اشتباہ جاتا رہا۔ سب سے پہلے باء اور تاء پر نقطے لگائے گئے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوئے۔ اور کہا۔ اس میں کوئی حرج نہیں یہ نقطے تو حروف کے لیے نور اور رونق ہیں۔ انہوں نے اس وقت اختتام آیت کی علامت بھی اولاً نقطے ہی سے مقرر کی۔ پھر موجودہ علامات ایجاد کیں۔

اعراب کی سب سے پہلے ایجاد کرنے والے ابوالاسود دئلی تابعی بصری ہیں۔ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ آغاز پر علم نحو کی ایجاد و تکمیل کی۔ انہوں نے ایک شخص کو ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ۔ (بکسرہٗ لام) پڑھتے سنا (جس کا معنی یہ ہو جاتا ہے کہ بے شک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے) یہ غلطی بہت بڑی تھی انہوں نے فرمایا: معاذ وجہ اللہ اَن یَبرئَ مِن رسُولِہٖ" (خدا کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے رسول سے بری ہو) انہیں اعراب کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا۔ جس کے بعد انہوں نے اعراب وضع کیا۔ مگر اس وقت زبر۔ زیر۔ پیش وغیرہ کی یہ شکلیں نہ تھیں جو آج ہیں۔ انہوں نے نقطوں ہی سے اعراب کا کام لیا۔

فرق یہ تھا کہ اعرابی نقطوں کے لیے اس رنگ کی روشنائی استعمال نہ ہوتی جس رنگ سے قرآن لکھا ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے مخالف رنگ کی روشنائی استعمال کرتے زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ

فاتحۃ الکتاب

سورۂ فاتحہ سے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ اسے مصحف میں نہ لکھتے۔ ابو عبید نے بسند صحیح ابن سیرینؒ سے روایت کی ہے۔

قال کتب أُبی بن کعب فی مصحفہ فاتحۃ الکتاب والمعوذتین، واللھم انا نستعینک واللھم ایاک نعبد وترکھن ابن مسعود وکتب عثمان منھن فاتحۃ الکتاب والمعوذتین۔

ابن سیرینؒ نے فرمایا ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحۃ الکتاب، معوذتین اللّٰھم انا نستعینك اور اللّٰھم ایاك نعبد لکھیں۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے یہ سب نہ لکھیں۔ اور حضرت عثمانؓ نے ان میں سے صرف فاتحۃ الکتاب اور معوذتین لکھیں۔

(اتقان ج اص ۶۵ نوع ۱۹)

عبد بن حمید نے ابراہیم سے روایت کی۔

قال کان عبد اللہ لایکتب فاتحۃ الکتاب فی المصحف وقال لوکتبتھا لکتبت فی اول کل شئی (درمنثور ج اص ۱)

ابراہیم نے فرمایا عبد اللہ بن مسعود فاتحۃ الکتاب مصحف میں نہ لکھتے۔ اور فرماتے اگر میں اسے لکھتا تو بالکل شروع میں لکھتا۔

ان روایتوں سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحۃ الکتاب اپنے مصحف میں نہ لکھتے۔ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ انہیں قرآنیتِ فاتحہ میں کوئی شک رہا ہو۔ نہ ہی یہ کسی قابلِ ذکر شخصیت کا قول ہے۔ معوذتین کے بارے میں تو بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ حضرت ابن مسعود

تمام معتبر لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں. آیتوں کے بارے میں ابو عمرو دانی ارشاد فرماتے ہیں کہ چھ ہزار آیات تو بالاجماع سب کہتے ہیں. زائد کی تعیین میں اختلاف ہے. ابن الضریس نے سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن میں چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) آیتیں ہیں اور تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) حروف ہیں. ایک جماعت نے کلمات قرآن ستہتر ہزار نو سو چونتیس (۷۷۹۳۴) شمار کیے ہیں. واللہ تعالیٰ اعلم.

(اتقان ج ۱ نوع ۱۹ ص ۶۹ و ۷۲. مفتاح السعادہ و مصباح السیادہ فی موضوعات العلوم. احمد بن مصطفےٰ طاشکبری زادہ. ج ۲ ص ۳۹۴ تا ۳۹۶) [1]

---

[1] اعداد مندرجات کا فرق شمار کرنے والوں کے شمار میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ص ۱۳۲ پر ایک نقشہ دیا گیا ہے وہ بھی صرف ایک شمار کے تحت ہے.

قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سورۃ فاتحہ جزو قرآن ہے. اس پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں. معوذتین کی بحث میں ضمنی طور پر سورۂ فاتحہ کا ذکر جا بجا آرہا ہے. مگر یہ قول فیصل پیشِ نظر رکھیں.

حاشیہ متعلقہ ص ۱۲۹

قرآن میں

الف	۴۸,۸۷۲	ط	۱,۲۷۴	نقطے	۱,۰۵,۶۸۴
ب	۱۱,۴۲۸	ظ	۸۴۲	زبر	۵۳,۲۴۳
ت	۱۰,۱۹۹	ع	۹,۲۲۰	زیر	۳۹,۵۸۲
ث	۱۰,۲۷۷	غ	۲,۲۰۸	پیش	۸,۸۰۴
ج	۳,۲۷۳	ف	۸,۴۹۹	مد	۱,۷۷۱
ح	۳,۹۹۳	ق	۶,۸۱۳	تشدید	۱,۲۵۳
خ	۱,۴۱۶	ک	۹۵۰۰	کلمات	۷۷,۴۳۶
د	۵,۶۴۲	ل	۳۰,۴۲۳	سورتیں	۱۱۴
ذ	۴,۶۹۹	م	۲۶,۱۳۵	رکوعات	۵۴۰
ر	۱۱,۷۹۹	ن	۲۶,۵۶۰	آیات سجدہ	۱۴
ز	۱,۵۹۰	و	۲۵,۵۳۶	اعشار کوفی	۴۲۳
س	۵,۸۹۱	ہ	۱۹,۰۷۰	اعشار بصری	۶۲۳
ش	۲,۲۵۳	لا	۴,۷۲۰	اخماس کوفی	۸۴۷
ص	۲,۰۱۳	ی	۲۵,۹۱۹	اخماس بصری	۱,۲۴۶
ض	۱,۶۰۷	کل حروف	۳,۲۲,۶۰۰	آیات عامہ	۶,۶۶۶

بستان العارفین از:۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی (م ۳۷۳ھ) بحوالہ استاذ قراءت شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ علیہما الرحمۃ.

کو ان کی قرآنیت سے انکار تھا لیکن سورۂ فاتحہ کے بارے میں وہ بھی یہی مانتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ قرآنیتِ فاتحہ کے قائل تھے مثلاً ابن قتیبہ مشکل القرآن میں رقم طراز ہیں۔ (واضح رہے کہ ابن قتیبہ معوذتین کے بارے میں حضرت ابن مسعود کی طرف انکارِ قرآنیت کی نسبت صحیح ماننے والوں میں سے ہیں)

واما اسقاطه الفاتحة من مصحفه فليس بظنه انها ليست من القرآن معاذ الله ولكنه ذهب الى ان القرآن انما كتب وجمع بين اللوحين مخافة الشك والنسيان والزيادة والنقصان ورأى ان ذلك مأمون فى سورة الحمد لقصرها ووجوب تعلمها على كل احد.

(اتقان ج ا ص ۸۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے مصحف میں سورۂ فاتحہ نہ لکھنا اس گمان کی بنیاد پر نہیں کہ معاذ اللہ وہ قرآن نہیں بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن کی کتابت و تدوین کی غرض یہ ہے کہ شک و نسیان اور کمی بیشی کا اندیشہ جاتا رہے اور سورۂ فاتحہ کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں کیونکہ یہ مختصر ہے اور ہر شخص پر اس کا سیکھنا واجب ہے (اس لئے اس کی قرآنیت میں کسی شبہ کی گنجائش یا اس کے نسیان کا امکان نہیں، لہٰذا اس کے لکھنے کی ضرورت بھی نہیں۔)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے قرآنیت فاتحہ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ انہوں نے پوری زندگی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز میں اس کی قراءت سنی۔ خود بھی قراءت کی۔ خلفا و صحابہ سے بھی سنی۔ پھر قراءت صحیحہ متواترہ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ اس میں بھی سورۂ فاتحہ موجود ہے۔ لہٰذا یہ امر بالکل

"انہ کان یحک المعوذتین من المصحف ویقول "لا تخلطوا القرآن بما لیس منہ، انہما لیستا من کتاب اللہ" انما امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یتعوذ بہما" وکان ابن مسعود لا یقرأ بہما۔

کی ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتین مصحف سے کھرچ دیتے۔ اور فرماتے قرآن کو اس سے نہ ملاؤ جو قرآن سے نہیں یہ دونوں کتاب اللہ سے نہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف ان سے تعوذ کا حکم دیتے۔ ابن مسعود ان دونوں کی قراءت نہ کرتے۔

(درمنثور ج ۶ ص ۴۱۶ مطبوعہ بیروت عکس طبع المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۴ھ)

ان طرق وروایات سے حضرت ابن مسعود کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) حضرت ابن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹا دیتے۔

(۲) وہ فرماتے۔ قرآن کو اس سے مخلوط نہ کرو "جو قرآن سے نہیں"۔

(۳) معوذتین "کتاب اللہ" سے نہیں۔

(۴) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معوذتین سے صرف تعوذ کا حکم دیا ہے۔

(۵) حضرت ابن مسعود معوذتین کی قراءت نہ کرتے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان تمام طرق کے صرف "حسن" نہیں بلکہ صحیح ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

اقوال علما

اس بحث میں علما کے تین اقوال نظر آتے ہیں۔

(۱) حضرت ابن مسعود کی طرف قرآنیتِ معوذتین کے انکار کی نسبت صحیح ہے۔ مگر صرف ان کے انکار سے قرآنیتِ معوذتین کے تواتر وقطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۲) حضرت ابن مسعود کی طرف فاتحہ ومعوذتین کے انکارِ قرآنیت کی نسبت بالکل غلط۔ باطل اور نامقبول ہے۔

(۳) روایاتِ انکار صحیح ہیں۔ مگر ان میں انکارِ قرآنیت کا ذکر نہیں۔ صرف

معوذتین کی قرآنیت

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث سے اس باب میں سخت خلجان پیدا ہو گیا ہے۔ مخالفین کو اعتراض کا موقع ملا، موافقین کو حیرت ہوئی ان کے اس سلسلے میں ظاہراً تین قول سامنے آگئے، یہ مبحث بسط و تفصیل کا متقاضی ہے اس لیے تفصیل مناسب۔

امام احمد اور ابن حبان کی روایت میں ہے۔

عبد الله بن مسعود كان لايكتب المعوذتين فی المصحف	عبد اللہ بن مسعود معوذتین (قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس) اپنے مصحف میں نہ لکھتے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶)

عبد اللہ بن امام احمد نے زیاداتِ مسند میں، اور ابن مردویہ نے بطریق اعمش، ابو اسحٰق سے، انہوں نے عبد الرحمٰن بن یزید نخعی سے روایت کی ہے۔

كان عبد الله يحك المعوذتين من مصاحفه، ويقول انهما ليستا من كتاب الله۔	عبد اللہ بن مسعود اپنے مصاحف سے معوذتین کھرچ دیتے، اور کہتے یہ دونوں "کتاب اللہ" سے نہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶۔ ارشاد الساری ج ۷، ص ۳۵۲۔ عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۱)

علامہ جلال الدین سیوطی "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" میں مختلف روایات و طرق کو یکجا کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

اخرج احمد والبزار والطبرانی وابن مردويه "من طرق صحيحة" عن ابن عباس وابن مسعود۔	امام احمد، بزار، طبرانی، ابن مردویہ نے بطرق صحیحہ حضرت ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت

سکتی ہے غیر قرآن کی نہیں۔ لہٰذا جب سرکار سے قرآنیت معوذتین ثابت تو حضرت ابن مسعود کے انکار کا کیا اثر؟

(۴) یہ دونوں سورتیں مصحف عثمانی میں ثبت کی گئیں۔ مصحف میں وہی چیز لکھی گئی ہے جس کا قرآن غیر منسوخ ہونا ثابت ہے۔ اس مصحف پر اجماع صحابہ قائم ہے۔ لہٰذا اس اجماعی مصحف میں کتابت معوذتین سے ان کی قرآنیت اجماعی و یقینی ہو گئی۔ اور اس مصحف کے بالمقابل تنہا حضرت ابن مسعود کا قول حجت نہیں۔

معوذتین کی قرآنیت رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی کی ذکر کردہ احادیث سے ہم یہاں صرف وہ حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے "صراحۃً" قرآنیت معوذتین کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۱) امام احمد اور ابن ضریس نے بسند صحیح حضرت ابوالعلا یزید بن عبداللہ بن شخیر سے روایت کی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (صحابی) نے کہا۔ ہم رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اور لوگ باری باری سوار ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور میرے اترنے کی باری آئی۔ تو سرکار مجھ سے آملے، میرے کاندھے پر مار کر فرمایا۔ قل اعوذ برب الفلق میں نے کہا اعوذ برب الفلق۔ سرکار نے اسے پڑھا اور ان کے ساتھ میں نے بھی پڑھا۔ پھر فرمایا قل اعوذ برب الناس۔ سرکار نے اسے بھی پڑھا، اور ان کے ساتھ میں نے پڑھا — فرمایا۔

اذا انت صلیت فاقرأ بہما۔ — جب تم نماز پڑھو تو ان دونوں کی قراءت کرو۔

(۲) مسلم، ترمذی، نسائی، ابن الضریس، ابن الانباری، ابن مردویہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انزلت علی ایات لم ار — مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئیں

اتنا ہے کہ وہ مصحف میں انہیں لکھنے سے انکار کرتے تھے۔

قول اوّل :- علامہ جلال الدین سیوطی اتقان میں ناقل ہیں۔

وقال ابن قتیبۃ فی مشکل القرآن ظن ابن مسعود ان المعوذتین لیستا من القرآن لانہ رأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعوذ بھما الحسن والحسین فاقام علی ظنہ ولا نقول انہ اصاب فی ذلک واخطأ المھاجرون والانصار۔

(اتقان ج ۱ ص ۸۲)

ابن قتیبہ مشکل القرآن میں لکھتے ہیں حضرت ابن مسعود نے گمان کیا کہ معوذتین قرآن سے نہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معوذتین پڑھ کر دم کیا کرتے تو وہ اپنے ظن پر قائم رہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اس بارے میں صحیح خیال پر ہیں اور مہاجرین و انصار غلطی پر۔

اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب حضرت ابن مسعود معوذتین کو قرآن نہیں مانتے تو قرآنیتِ معوذتین اجماعی و یقینی نہ رہی۔ علامہ جلال الدین سیوطی اس کا جواب ذکر فرماتے ہیں۔

قال البزار لم یتابع ابن مسعود احد من الصحابۃ وقد صح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قرأ بھما فی الصلوٰۃ۔ واثبتتا فی المصحف۔ (در منثور ص ۴۱۶ ج ۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ۔

(۱) حضرت ابن مسعود اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ بزار نے مسند میں بیان فرمایا کہ ایک صحابی نے بھی حضرت ابن مسعود کی یہ رائے نہ مانی۔

(۲) نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بصحت ثابت ہے کہ انہوں نے نماز میں معوذتین کی قراءت فرمائی۔ ظاہر ہے کہ نماز میں قراءت، قرآن ہی کی ہو

مِن احبِّ السور الی اللہ قُل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس۔
اللہ کے نزدیک محبوب ترین سورتوں میں سے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔

(۶) ابن مردویہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔

فصلی الغداۃ، فقرأ فیھما بالمعوذتین، ثم قال یا معاذ: ھل سمعت قلت نعم۔ قال ما قرأ الناس بمثلھن۔
تو سرکار نے نماز صبح پڑھی اور اس میں معوذتین کی قراءت فرمائی۔ پھر فرمایا۔ اے معاذ! تم نے سنا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا اس کے مثل سے لوگوں نے قراءت نہ کی۔

(۷) ابن ابی شیبہ اور ابن الضریس نے عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ جب فجر طلوع ہوئی اذان واقامت کہی۔ پھر مجھے اپنے دائیں کھڑا کیا۔ پھر معوذتین کی قراءت کی۔ جب فارغ ہوئے فرمایا تم نے کیسا دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ میں نے دیکھا۔ یا رسول اللہ۔ فرمایا تو ان دونوں کو پڑھ لیا کرو۔ جب سوؤ اور جب اٹھو۔

اسی واقعہ اور اسی معنی کے قریب حاکم نے بھی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(۸) ابن الانباری نے حضرت قتادہ سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

اقرأ بقل اعوذ برب الفلق، و قل اعوذ برب الناس فانھما من احب القراٰن الی اللہ۔
قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس کی قراءت کرو کہ یہ دونوں اللہ کے نزدیک محبوب ترین قرآن سے ہیں۔

(۹) ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انہوں نے بیان کیا کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بھوری مادہ خچر ہدیہ کیا اس میں ذرا سرکشی تھی۔ سرکار نے زبیر سے فرمایا۔ اس پر سوار ہو کر

مثلھن قط قل اعوذ برب الفلق، وقل اعوذ برب الناس۔ — جن کی مثل میں نے کبھی نہ دیکھیں۔ قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس۔

(۳) ابن ضریس، ابن الانباری، حاکم (بافادۂ تصحیح) ابن مردویہ اور بیہقی (فی الشعب) نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ اور ابوا کے درمیان چل رہا تھا کہ ہم پر آندھی اور سخت تاریکی نے چھا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس سے تعوذ کرنے لگے۔ اور فرمانے لگے اے عقبہ! تم بھی ان سے تعوذ کرو کہ کوئی تعوذ کرنے والا ان کے مثل سے تعوذ نہ کر پائے گا۔ فرماتے ہیں۔

وسمعته یؤمنا بھما فی الصلاۃ۔ — میں نے سرکار کو نماز میں ان ہی دونوں سورتوں سے امامت کرتے سنا۔

(۴) ابن مردویہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا عقبۃ اقرأ بقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس فانک لن تقرأ ابلغ منھما۔ — اے عقبہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی (نماز میں) قراءت کرو کہ تم ان دونوں سے بلیغ تر کی قراءت ہرگز نہ کروگے۔

سرکار نے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی قراءت کا حکم دیا۔ اگر یہ بعینہٖ قرآن کی سورتیں نہ ہوتیں تو بغیر قل کے اعوذ برب الفلق۔ اعوذ برب الناس پڑھنے کا حکم دیتے علاوہ ازیں اقرأ بہ عموماً قراءت نماز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ اقراہ کہا جاتا ہے۔

(۵) ابن مردویہ نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی انہوں نے فرمایا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

زمانے میں متواتر نہ تھی تو بعض قرآن کا غیر متواتر ہونا لازم آئے گا مگر اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ معوذتین حضرت ابن مسعود کے زمانے میں متواتر تھیں مگر ان کے نزدیک متواتر نہ تھیں۔ اور اس وقت تک ان کی قرآنیت پر چونکہ اجماعِ صحابہ قائم نہ ہوا تھا اس لئے یہ متواتر ضروریات دین سے نہ قرار پایا تھا۔ لہٰذا حضرت ابن مسعود کی تکفیر نہ لازم آئے گی۔ ہاں اگر آج کوئی شخص ان کی قرآنیت سے انکار کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

علامہ ابن حجر ناقل ہیں۔

وقد قال ابن الصباغ فی الکلام علی مانعی الزکاۃ وانما قاتلھم ابوبکر علی منع الزکاۃ ولم یقل انھم کفروا بذلك وانما لم یکفروا لان الاجماع لم یکن استقر قال ونحن الآن نکفر من جحدھا قال وکذلك ما نقل عن ابن مسعود فی المعوذتین یعنی انه لم یثبت عندہ القطع بذلك ثم حصل الاتفاق بعد ذلك۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶)

مانعین زکوٰۃ پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابن الصباغ نے فرمایا۔ حضرت ابوبکر نے مانعین سے منع زکوٰۃ پر قتال تو کیا مگر یہ نہ کہا کہ وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گئے مانعین و منکرینِ زکوٰۃ کی تکفیر اس لیے نہ کی گئی کہ اس وقت تک (باوجود فرضیتِ زکوٰۃ کی قطعیت کے اس کی فرضیت پر) اجماع قائم نہ ہوا تھا۔ ہاں آج ہم ہر اس شخص کو کافر کہیں گے جو زکوٰۃ کا انکار کرے۔ ابن صباغ نے فرمایا۔ اسی طرح وہ جو حضرت ابن مسعود سے معوذتین کے بارے میں منقول ہے یعنی ان کے نزدیک اس کی قطعیت حاصل نہ تھی پھر بعد میں اجماع قائم ہوا۔

یہی جواب علامہ ابن حجر ہیتمی (۸۵۱ھ/۹۲۳ھ) نے الاعلام بقواطع الاسلام (ج ۲ ص ۶۲) میں ذکر کیا ہے بہر حال انکارِ قرآنیت کی نسبت صحیح ماننے پر جو اعتراضِ قوی لازم آرہا تھا اس کا معقول و محقق جواب موجود ہے۔ پھر بھی یہ قولِ اول راجح

اسے رام کرو حضرت زبیر ڈرے. سرکار نے فرمایا. اس پر سوار ہو ٔ. اور قرآن پڑھو عرض کیا، کیا پڑھوں؟ فرمایا قل اعوذ برب الفلق، قسم اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے ماقمت تصلی بمثلها اس کے مثل کے ساتھ نماز نہ پڑھوگے۔

(۱۰) امام احمد نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یا عقبة بن عامر الا اعلمك خیر ثلاث سور انزلت فی التوراة والانجیل والزبور والفرقان العظیم. قلت بلی جعلنی الله فداءك. قال فاقرأنی قل هو الله احد وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس ثم قال یا عقبة لا تنساهن ولا تبت لیلة حتی تقرأهن.

اے عقبہ بن عامر کیا تمہیں توریت انجیل، زبور اور فرقان عظیم میں نازل شدہ تین سورتوں میں سب سے بہتر نہ سکھا دوں. میں نے عرض کیا. کیوں نہیں مجھے اللہ آپ پر قربان کرے بیان کیا کہ پھر سرکار نے مجھے قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھائیں پھر فرمایا. عقبہ انہیں نہ بھولنا اور انہیں پڑھے بغیر کوئی رات بسر کرنا۔

ان احادیث سے معوذتین کی قرآنیت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ کہیں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحۃً انہیں جزو قرآن بتایا اور کہیں نماز میں ان کی قراءت کا حکم دیا. نماز میں قراءت، قرآن ہی کی ہوتی ہے. کہیں انہیں سورہ اور آیت فرمایا. یہ اطلاق جزو قرآن ہی کے لیے ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت انکار صحیح مان لینے پر ایک اعتراض لازم آئے گا جسے امام فخر الدین رازی نے عقدۂ لاینحل فرمایا ہے. وہ یہ کہ اگر ہم کہیں کہ معوذتین کا قرآن ہونا حضرت ابن مسعود کے زمانے میں متواتر تھا تو اس کے منکر کی تکفیر لازم آئے گی. اور اگر یہ کہیں کہ معوذتین کی قرآنیت اس

بمتواتر فی الاصل، وذلک یخرج القرآن عن کونہ حجۃ یقینیۃ. والاغلب علی الظن ان نقل ھذا المذھب عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کاذب باطل وبہ یحصل الخلاص عن ھذہ العقدۃ.

(مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) ج ا ص ۲۱۸)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مذہب کی نقل جھوٹی اور باطل نقل ہے ـــ یہی ماننے سے یہ عقدہ حل ہو سکے گا۔

ـ ـ

ملا علی قاری علیہ الرحمہ شرح شفا میں ناقل ہیں۔

قال النووی فی شرح المھذب اجمع المسلمون علی ان المعوذتین والفاتحۃ وسائر السور المکتوبۃ فی المصحف قرآن وان من جحد شیئا منھا کفر، وما نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الفاتحۃ والمعوذتین باطل لیس بصحیح. قال ابن حزم فی اول کتابہ المحلی ھذا اکذب علی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

(شرح شفا ج ۲ ص ۵۵۱)

علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایا کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ”ہے کہ معوذتین، فاتحہ اور مصحف میں لکھی ہوئی تمام سورتیں قرآن ہیں اور جو ان میں سے کسی کا منکر ہو کافر ہے. اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں جو منقول ہے. وہ باطل ہے صحیح نہیں۔ ابن حزم نے اپنی کتاب محلی کے شروع میں کہا کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دروغ وافترا ہے۔

امام رازی نے فرمایا: ”اس مذہب کو حضرت ابن مسعود سے نقل کرنا غلط اور باطل ہے“ امام نووی نے فرمایا: حضرت ابن مسعود سے فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں جو نقل کیا گیا ہے باطل وغیر صحیح ہے“. ان عبارتوں میں تین معانی کا احتمال ہے.

کے نزدیک محل نظر ہے۔ آخر بحث میں اس پر کلام ہوگا۔ مگر یہاں اس قول کو بالاستیعاب ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف انکارِ قرآنیت کی نسبت صحیح مان لینے کے بعد بھی قرآنیتِ معوذتین کے اجماعی اور متواتر ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کو سند بنا کر قرآن میں نقص نمائی کی کوشش بہرحال ناکام ہے۔

مخالفین کا جواب تو اتنے ہی سے مکمل ہو جاتا ہے مگر موافقین کی تسکین اور اس بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف واضح کرنے کے لیے اگلی بحث ضروری ہے۔

قول ثانی:۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

نقل فی الکتب القدیمۃ ان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان ینکر کون سورۃ الفاتحۃ من القرآن وکان ینکر کون المعوذتین من القرآن واعلم انہ ھذا فی غایۃ الصعوبۃ لانا ان قلنا ان النقل المتواتر کان حاصلاً فی عصر الصحابۃ بکون سورۃ الفاتحۃ من القرآن فح کان ابن مسعود عالما بذالک فانکارہ یوجب الکفر او نقصان العقل۔ وان قلنا ان النقل المتواتر فی ھذا المعنی ما کان حاصلا فی ذلک الزمان فھذا یقتضی ان یقال ان نقل القرآن لیس

پرانی کتابوں میں منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۃ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار کرتے تھے۔ یہ انتہائی مشکل مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے جزو قرآن ہونے پر عہد صحابہ میں نقل متواتر حاصل تھی تو حضرت ابن مسعود اس سے باخبر ہوں گے پھر ان کے انکار سے کفر یا کم عقلی لازم آتی ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس بارے میں اس وقت نقل متواتر نہ تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں قرآن کی نقل، متواتر نہیں جب تو قرآن یقینی حجت نہ رہ جائے گا اور زیادہ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود

مسعود۔ فقال لم ینکر ابن مسعود کونہما من القرآن وانما انکر اثباتہما فی المصحف فانہ کان یری ان لا یکتب فی المصحف شیئا الا ان کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذن فی کتابتہ فیہ و کأنہ لم یبلغہ الاذن فی ذلک قال۔ فہذا تاویل منہ ولیس جحدا لکونہما قرآنا۔

— — — — — — —

عیاض وغیرہ (جلیل القدر) علما نے بھی ان کا اتباع کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے معوذتین کے جزو قرآن ہونے کا انکار نہ کیا بلکہ انہیں مصحف کے اندر صرف کتابتِ معوذتین سے انکار تھا۔ اس لیے کہ وہ یہ رائے رکھتے تھے کہ مصحف میں بس وہی چیز لکھی جائے جسے مصحف میں لکھنے کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے گویا انہیں اس بارے میں حضور کی اجازت کا علم نہ ہوا۔ بس اس معنی کے پیش نظر انہیں قرآن میں معوذتین کے صرف لکھنے سے انکار تھا۔ ان کی قرآنیت سے انکار نہ تھا۔

— — — — — — —

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔ وھو تاویل حسن۔ قاضی ابوبکر باقلانی کی یہ تاویل عمدہ تاویل ہے۔ مزید لکھتے ہیں۔

الا ان الروایۃ الصحیحۃ التی ذکرتہا تدفع ذلک حیث جاء فیہا" ویقول انہما لیسا من کتاب اللہ۔ نعم یمکن حمل لفظ کتاب اللہ علی المصحف فیتمشی التاویل المذکور۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶)

مگر وہ صحیح روایت اس تاویل کے برخلاف ہے جو میں نے ذکر کی کیونکہ اس میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود کہتے تھے کہ یہ دونوں (معوذتین) کتاب اللہ سے نہیں ہاں اگر "کتاب اللہ" سے "مصحف" مراد لے لیا جائے تو تاویل مذکور چل سکتی ہے۔

— — — — — — —

(۱) وہ روایات جو آغاز بحث میں ذکر ہوئیں باطل و غیر صحیح ہیں۔

(۲) روایاتِ مذکورہ باطل و غیر صحیح نہیں۔ بلکہ وہ روایات باطل ہیں جن میں صراحۃً یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن مسعود قرآنیتِ معوذتین کے منکر تھے۔

(۳) صدر بحث میں ذکر شدہ روایات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابن مسعود سے متعلق انکار قرآنیت کا جو مذہب نقل کیا گیا ہے۔ یہ نقلِ مذہب باطل و کاذب ہے

(الف) اگر پہلا معنی ہی ان عبارتوں کی مراد ہے تو یقیناً یہ قابل قبول نہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ اس لیے کہ روایات صحیح ہیں انہیں باطل قرار دینے کے لیے کوئی سند اور دلیل چاہیے بلا دلیل روایات صحیحہ میں طعن کرنا کوئی علمی طریقہ نہیں۔

(ب) اگر دوسرا معنی ان عبارتوں کا مقصود ہے تو یہ ضرور قابل قبول ہے مگر کہیں ان روایات کا ذکر بھی کرنا چاہیے کہ وہ روایات جن میں صراحۃً یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیتِ معوذتین کے منکر تھے وہ یہ ہیں اور یہی باطل و کاذب ہیں۔

(ج) اگر تیسرا معنی مراد ہے تو یہ بالکل بے غبار ہے۔ اس لیے کہ اس تقادیر پر مذکورۃ الصدر روایات میں ہرگز کوئی طعن نہیں۔ طعن صرف ان لوگوں پر ہے جو "مذہبِ انکار قرآنیت" کے ناقل ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ طعن صرف اس نقلِ مذہب پر ہے۔ ورنہ مذکورۃ الصدر روایات کو یہ حضرات (امام رازی و امام نووی) بھی صحیح مان کر ان کا کوئی قابل قبول حل نکالتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ عبارات مذکورہ میں کون سا معنی راجح اور قوی ہے۔ اس پر تھوڑی بحث قول ثالث کے بعد ملاحظہ کیجیے۔

قول ثالث :- علامہ ابن حجر وغیرہ بیان کرتے ہیں۔

وقد تاول القاضی ابوبکر الباقلانی فی کتاب الانتصار وتبعہ عیاض وغیرہ ما حکی ابن

حضرت ابن مسعود سے نقل شدہ روایت کی قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الانتصار میں تاویل کی ہے اور قاضی

یعنی حضرت ابن مسعود کی طرف انکارِ کتابت کی نسبت باطل و غلط نہیں. بلکہ ان کی طرف انکارِ قرآنیت کا انتساب باطل و غلط اور ان پر دروغ ہے. اور یہی معنی علامہ نووی سے متوقع بھی ہے. ورنہ ایسے عظیم الشان عالم حدیث اور عارف اسانید سے یہ قطعاً بعید ہے کہ وہ روایات صحیحہ میں طعن کریں اور انہیں باطل و غلط ٹھہرائیں.

جب ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے علامہ نووی کے ارشاد کا یہ مطلب بتایا ہے تو ابن حزم کی عبارت میں بھی یہ تاویل ہوسکتی ہے. اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت سے تو اس کا واضح اشارہ ملتا ہے. اس لیے کہ اخیر میں ان کے الفاظ یہ ہیں.

والاغلب علی الظن ان نقل هذا المذهب عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کاذب.

زیادہ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "اس مذہب کی نقل" جھوٹی نقل ہے.

امام رازی نے یہاں انکار کتابت کی نسبت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب انکارِ قرآنیت بتانے کو بالکل غلط اور جھوٹی نقل قرار دیا ہے.

امام فخر الدین رازی کی ایک اور عبارت انکارِ کتابت کے اعتراف میں بالکل صریح ہے. اُسے پیش نظر رکھیں تو قول ثانی و ثالث بلکہ خود امام رازی کی دونوں عبارتوں میں تطبیق زیادہ ضروری ہے۔ اور واضح بھی۔ فرماتے ہیں۔

وایضا فقد نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حذف المعوذتین وحذف الفاتحۃ عن القرآن. ویجب علینا احسان الظن به وان نقول انه رجع عن هذا المذهب.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ قرآن (یعنی مصحف) سے معوذتین، اور سورۂ فاتحہ حذف کر دیتے. ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کے بارے میں نیک گمان رکھیں اور یہ کہیں کہ انہوں نے اس مذہب

قول ثانی وثالث میں تطبیق

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل شدہ انکار میں ظاہرًا یہ دو قول ہو گئے ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف نسبتِ انکار باطل و مردود ہے۔ اور دوسرے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب روایاتِ صحیحہ سے انکار ثابت ہے تو روایات صحیحہ میں طعن بے جا ہے نسبتِ انکار صحیح ہے مگر یہ انکار، انکارِ قرآنیت ہرگز نہ تھا بلکہ انکارِ کتابت تھا۔

قول ثانی کے بعد راقم نے یہ لکھا کہ مذکورہ عباراتِ ائمہ میں تین معانی کا احتمال ہے انہیں پیش نظر رکھ کر آپ دیکھیں کہ جب قول ثانی کا پہلا معنی لیا جائے تو بلا شبہ یہ قول ثالث کے خلاف ہوگا جس طرح کہ قول ثانی و ثالث دونوں ہی قول اول کے معارض ہیں۔ لیکن اگر قول ثانی کا دوسرا یا تیسرا معنی لیا جائے تو یہ قول ثالث کے معارض ہرگز نہ ہوگا بلکہ دونوں ایک قول ہو جائیں گے کیونکہ اس معنی پر اصحاب قول ثانی نے بھی روایات صحیحہ (مذکورۃ الصدر) کو صحیح تسلیم کیا۔ اور یقینًا انہیں بھی ان کی وہی تاویل کرنی ہوگی جو اصحاب قول ثالث نے کی۔ اور ابطال و تغلیط کا تعلق دوسری روایات باطلہ سے ہوگا یا اُن لوگوں سے، جو یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو قرآنیتِ معوذتین سے انکار تھا۔ اس تطبیق کی روشنی حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے ملی۔ وہ علامہ نووی کا قول "انہ کذب علیہ" (ای ابن مسعود) اور اس کا رد نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

قلت۔ یحمل قول النووی انہ کذب علیہ علی انکار اصل القرآنیۃ فیکون مقبولا لا مردودا وھو الظاھر۔
(مرقاۃ ج ۱ ص ۵۳۳)

میں کہتا ہوں کہ علامہ نووی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف اصل قرآنیت کے انکار کی نسبت غلط اور ان پر دروغ ہے جب علامہ نووی کے قول کا یہ معنی ہو گیا تو ان کا قول مقبول ہوگا۔ مردود نہیں۔ اور یہی ظاہر ہے۔

کتابت کا ذکر ہے وہ صحیح ہے۔

بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں۔

ومن اسند الانکار الی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلا یعبأ بسندہ عند معارضۃ ھٰذہ الاسانید الصحیحۃ۔ بالاجماع والمتلقاۃ بالقبول عند العلماء الکرام بل والامۃ کلھا کافۃ فظھران نسبۃ الانکار الی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ باطل۔

(ج ۲ ص ۳۱۵)

جس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انکار کی نسبت کی، اس کی سند کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ وہ ان سندوں کے معارض ہے جو بالاجماع صحیح ہیں۔ اور علمائے کرام بلکہ تمام امت کے نزدیک مقبول بھی۔ تو ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبتِ انکار باطل ہے۔

ان تفصیلات سے روشن ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیتِ معوذتین کے منکر نہ تھے۔ صرف کتابت سے انہیں انکار تھا۔ پھر عہدِ عثمانی میں مصحف پر اجماع صحابہ قائم ہونے کے بعد انہوں نے اس سے بھی رجوع کر لیا۔

قولِ اوّل پر تنقید

"حضرت ابن مسعود کی طرف قرآنیتِ معوذتین کے انکار کی نسبت صحیح ہے" یہ قول تفصیلاً گزر چکا اسے وہاں ہم نے محلِ نظر قرار دیا۔ اب یہاں پوری وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ یہ قول سرے سے صحیح نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداءً معوذتین مصحف میں نہ لکھیں یہ تسلیم ہے، لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ انہیں معوذتین کی قرآنیت سے انکار رہا ہو۔ اس دعوے پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۱۳) سے رجوع کرلیا۔
حاصل یہ کہ قرآنیت معوذتین کے منکر تو کبھی نہ تھے۔ مصحف میں لکھنے سے ابتداءً انہیں انکار تھا۔ لیکن جب مصحف عثمانی میں یہ سورتیں لکھی گئیں۔ اور اس پر اجماع صحابہ قائم ہوا تو وہ مصحف میں لکھنے کے بھی قائل ہو گئے، اور اپنے پہلے مذہب (انکارِ کتابت) سے رجوع کرلیا۔

جب قول ثانی کے تحت ذکر شدہ علامہ نووی و امام رازی وغیرہما کی عبارتوں میں ایک مناسب معنی کا احتمالِ قوی موجود ہے اور قرائن وشواہد بھی اس کی تائید کر رہے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان عبارتوں کا خلافِ قرائن ایسا معنی لیا جائے جس پر یہ الزام عائد ہو کہ ان حضرات نے روایاتِ صحیحہ میں طعن کیا۔ اور ان عبارتوں کی بنیاد پر قول اول وثالث کے علاوہ ایک اور قول نکالا جائے۔ مذکورہ معقول توجیہ کو کیوں نہ اختیار کیا جائے جس سے مؤخر الذکر دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہو جائے اور اعتراضات بھی اٹھ جائیں۔ نہ حضرت ابن مسعود پر کسی سورہ کی قرآنیت سے انکار کا الزام عائد ہو۔ اور نہ ان علما پر اسانیدِ صحیحہ میں طعن اور روایاتِ صحیحہ کے انکار کا اعتراض ہو۔

علامہ محب اللہ بہاری علیہ الرحمہ کی ایک عبارت سے بھی اس تطبیق کی تائید ہوتی ہے۔ مُسَلَّم الثبوت میں فرماتے ہیں۔

وما نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ من انکار المعوذتین والفاتحۃ فلم یصح وانما صح خلوا المصحف عنھما۔	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معوذتین اور فاتحہ کا جو انکار منقول ہے وہ صحیح نہیں۔ البتہ ان کے مصحف کا ان سورتوں سے خالی ہونا صحیح ہے۔

اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ یہاں دو قسم کی نقلیں ہیں۔ ایک وہ جس میں انکار قرآنیت کا ذکر ہے۔ وہ غلط ہے اور ایک وہ جس میں عدمِ

④ امام کسائی کی سند بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتی ہے اس لیے کہ امام کسائی نے امام حمزہ سے قراءت حاصل کی ہے یوں ہی امام خلف (جو قرآء عشرہ سے ہیں) کی سند حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے سلیم سے اور سلیم نے امام حمزہ سے قراءت حاصل کی ہے۔

قرآء عشرہ کی سندیں اجماعی اور امت کے درمیان قبول یافتہ ہیں۔ لہٰذا جب صحیح سندوں سے ثابت ہوگیا کہ امام عاصم، امام حمزہ، امام کسائی، امام خلف سب کی سندیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتی ہیں، اور ان سب قراءتوں میں فاتحہ اور معوذتین جزوِ قرآن ہیں۔ تو بلا شبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انکارِ قرآنیت کا انتساب غلط اور باطل ہے۔

اس تفصیل سے ایک عقدہ یہ بھی حل ہوگیا۔ کہ جس ترتیب پر آج قراءتِ قرآن ہو رہی ہے یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لیے کہ قرآء عشرہ نے (جن کی سندیں صحیح تر اور اجماعی ہیں) اپنی قراءتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں اور اس ترتیب پر قراءت فرمائی ہے۔ اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان کے شیوخ نے انہیں اسی طرح پڑھایا۔ اور شیوخ کے شیوخ نے شیوخ کو اسی طرح پڑھایا۔ یوں ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف قراءت شاذہ مثلاً متتابعات، کا انتساب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے بطورِ قرآن نقل نہ کیا۔ اگر وہ قرآن ہوتی تو ان قراءتوں میں (جن کا سلسلۂ اسناد حضرت ابن مسعود پر ختم ہوتا ہے) اس کی قراءت ہوتی۔ حضرت ابن مسعود نے اپنے مصحف میں متتابعات بطور تفسیر لکھا۔ اور راوی کو وہم ہوا کہ یہ ان کے نزدیک قرآن ہے۔ یا پہلے قرآن تھا پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۳۱۴ و ۳۱۵۔ ج ۲)

① حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر سال ماہ رمضان میں مسجد نبوی کے اندر باقتدائے امام نماز تراویح ادا کرتے، امام نماز تراویح میں معوذتین کی قراءت کرتے مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر کبھی انکار نہیں کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نسبتِ انکار غلط ہے۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۳۱۴۔ از بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ جنوری ۱۸۸۲ء)

② امام عاصم کی قراءت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتواتر منقول ہے اس میں معوذتین اور سورۂ فاتحہ شامل ہیں۔ جس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ و قول یہی تھا کہ معوذتین قرآن ہیں۔

حضرت امام عاصم کی سند یہ ہے۔ عاصم۔ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب سلمی و ابو مریم زِرّ بن حبیش اسدی و سعید بن عباش شیبانی۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

③ (الف) امام حمزہ (امام عاصم کی طرح یہ بھی قرائے سبعہ سے ہیں) کا سلسلۂ سند بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اس میں بھی معوذتین اور سورۂ فاتحہ ہیں۔ ان کی سند یہ ہے۔

حضرت حمزہ، اعمش ابو محمد سلیمان بن مہران۔ یحییٰ بن وثاب۔ علقمہ و اسود و عبید بن نضلہ خزاعی۔ وزِر بن حبیش و عبد الرحمٰن سلمی۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ب) امام حمزہ کی ایک دوسری سند یہ ہے۔

حضرت حمزہ۔ ابو اسحٰق سبیعی و محمد عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ و امام جعفر صادق۔ ابن قیس و زر بن حبیش و زید بن وہب و مسروق۔ منہال و دیگر حضرات۔ ابن مسعود و امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہما۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اس زمانے کے بعض نام نہاد محققین نے یہاں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ روایات انکار کے تمام راویوں پر جرحیں لکھ ماری ہیں۔ یہاں تک کہ جلیل القدر تابعی سلیمان بن مہران الاعمش کو شیعی قرار دیا ہے۔ کتب رجال میں "فیہ تشیع" دیکھا اور انہیں شیعی لکھ دیا، جب کہ اِس زمانے میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں اور سلف میں جو تمام خلفاے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا۔ بلکہ جو صرف امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے۔ حالانکہ یہ مسلک بعض علماے اہلسنت کا تھا۔ اسی بنا پر متعدد ائمۂ کوفہ کو شیعہ کہا گیا۔ بلکہ کبھی محض غلبۂ محبتِ اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۲۱۹)

یہ ایک عام طریقہ ہے کہ جو حدیث اپنے مطلب کے خلاف نظر آئی اس کا کوئی قابلِ قبول حل نکالنے کے بجائے میزان، تہذیب، تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کھول کر اس حدیث کے رُواۃ پر جتنی جرحیں ملیں سب نقل کر کے ثقہ رُواۃ کو غیر ثقہ بنا دیا۔ اور قطعًا یہ لحاظ نہ کیا کہ ان رُواۃ کے محاسن روایت کیا ہیں، اور ان کی تضعیف و توثیق میں قول فیصل کیا ہے؟۔ نہ ہی یہ خیال فرمایا کہ ان رُواۃ کو ضعیف اور ساقط الاعتبار کہہ دینے سے ان کی بے شمار وہ حدیثیں بھی ضعیف ہو جائیں گی جنہیں اپنے مفیدِ مطلب مقامات میں زندگی بھر خود ہی صحیح مانتے رہے ہیں۔

طریقۂ اول

بہرحال مسئلۂ زیر بحث میں راہِ تطبیق اختیار کرنے کے لیے قسم اول کی جملہ روایات پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے ان کا حل ملاحظہ کیجیے۔

(۱) حضرت ابن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹا دیتے تھے۔ قاضی ابوبکر باقلانی سے اس کی تاویل گذر چکی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کی قرآنیت کے قائل تھے لیکن مصحف سے انہیں محو کر دیتے تھے، اس لیے کہ

۵ طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حسن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لقد انزل علی آیات لم ینزل علی مثلھن المعوذتین۔ (در منثور)

مجھ پر چند ایسی آیات نازل ہوئیں جیسی پہلے مجھ پر نازل نہ ہوئیں۔ وہ معوذتین ہیں۔

اس حدیث میں بھی معوذتین کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیات کہا۔ آیت کا اطلاق قرآن ہی کے لیے ہوتا ہے۔ دعاؤں کے لیے نہیں۔ لہٰذا جس طرح دیگر صحابہ کی روایات سے معوذتین کی قرآنیت کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث سے بھی معوذتین کا قرآن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ اصولِ مسلمہ سے ہے کہ صحابی کا اپنی روایت کردہ حدیث پر اعتقاد ضروری ہے بشرطیکہ سرکار سے اس کا کوئی ناسخ اس کے نزدیک ثابت نہ ہو۔ اس اصول کے تحت ماننا ہوگا۔ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیتِ معوذتین کے قائل ضرور تھے۔

روایات انکار کی تنقیح

البتہ یہاں یہ سوال ہوگا کہ ان صحیح روایات کا کیا جواب ہے جن سے قول اول والوں نے انکارِ قرآنیت کا استدلال کیا ہے اس کے جواب میں ہم دو طریق اختیار کر سکتے ہیں۔

۱ یہ کہ ان قراءات صحیحہ متواترہ کو ہم اصل قرار دیتے ہوئے دیگر روایات کو ان ہی پر محمول کریں اور تطبیق دیں۔

۲ اگر تطبیق نہ ہو سکے تو روایاتِ انکار میں انقطاع باطنی مانیں اس لیے کہ یہ فنِ اصول میں ثابت ہے کہ جب ثقہ راویوں کی روایات حدیث مشہور کے خلاف ہوں تو حدیث مشہور کو ترجیح دی جائے گی اور اس کے خلاف روایات غیر مقبول قرار دی جائیں گی۔ (نور الانوار وغیرہ)

یہ حدیثیں اس معنی میں واضح اور بالکل صریح و مفسر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر معوذات (غالبًا جمع اس لیے ہے کہ اس میں تغلیبًا قل ھو اللہ احد بھی شامل ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں وقت تعوذ معوذتین کے ساتھ اسے بھی شامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے) سے جھاڑ پھونک ناپسند کرتے۔ لہٰذا ان حدیثوں کی روشنی میں حدیثِ بالا کا بھی یہی معنی لیا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف معوذتین سے تعوذ کا حکم دیا اس کا یہ معنی نہیں کہ معوذتین سے صرف تعوذ کا حکم دیا قراءت کا نہیں۔

⑤ کان ابن مسعود لا یقرأبھما۔ اگر اس کا یہ معنی لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود معوذتین کو مطلق پڑھتے ہی نہ تھے تو یہ قرین قیاس بھی نہیں اور قراءت صحیحہ کے خلاف بھی۔ لہٰذا کان لا یقرأبھما کا یہ معنی لیا جائے گا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں معوذتین کی قراءت نہ کرتے۔ مگر ہم یہ کہیں گے کہ ایک راوی کے صرف اتنے بیان سے یہ نتیجہ لینا آسان نہیں کہ وہ معوذتین کو قرآن نہیں مانتے تھے۔ راوی کا بیان صرف راوی کے علم کی حد تک ہے انہوں نے حضرت ابن مسعود سے نماز میں معوذتین کی قراءت نہ سنی۔ تو اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ جن جہری نمازوں میں یہ راوی ان کے ساتھ تھے ان میں حضرت ابن مسعود سے معوذتین کی قراءت نہ سنی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں پڑھتے رہے ہوں یا بہت سی ان جہری نمازوں میں بھی پڑھا ہو جن میں یہ راوی ان کے ساتھ نہ تھے۔ اور اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود نے زندگی بھر نماز میں معوذتین کی قراءت نہ کی تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابن مسعود معوذتین کی قرآنیت کے قائل نہ تھے۔ کسی نے زندگی بھر نماز میں کوئی سورہ (یاد ہوتے ہوئے بھی) نہ پڑھی تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے کہ اس نے اس سورہ کو قرآن ہی نہ مانا۔

مصحف میں ثبت کرنے کے بارے میں سرکار سے کوئی حکم ان کے پاس نہ تھا، اور ان کی رائے یہ تھی کہ مصحف میں وہی لکھا جائے جس کے لکھنے کا سرکار سے حکم مل چکا ہو۔

(۲) قرآن کو اس سے نہ ملاؤ جو "قرآن" سے نہیں۔

(۳) معوذتین "کتاب اللہ" سے نہیں ــ دونوں جگہ اگر قرآن اور "کتاب اللہ" سے مصحف مراد لے لیا جائے تو ان روایتوں کا بھی وہی مفہوم ہو جائے گا جو مذکورہ بالا روایت کا ہے جب روایاتِ صحیحہ و قراءتِ متواترہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعتقادِ قرآنیت ثابت ہے اور ان روایات میں ایک صحیح معنی کی گنجائش ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان روایات میں قرآن بمعنی کلام اللہ لے کر انہیں ساقط الاعتبار ہی قرار دیا جائے حالانکہ مصحف پر قرآن اور کتاب اللہ کا اطلاق عام طور پر ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے۔

(۴) انما امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یتعوذ بھما۔ اس روایت کا جس طرح یہ معنی لیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معوذتین سے "صرف" تعوذ کا حکم دیا۔ (یعنی ان کی قراءت کا حکم نہ دیا) اُسی طرح یہ معنی بھی تو لیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف "معوذتین" سے تعوذ کا حکم دیا دوسری چیزوں سے نہیں۔ یہ معنی پہلے معنی سے زیادہ واضح، اور اس بحث میں خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایاتِ صریحہ کے مطابق ہے۔

ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یکرہ عشر خصال۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس باتیں ناپسند کرتے۔ ان دس باتوں میں یہ بھی ذکر کیا ہے والرقی الا بالمعوذات غیر معوذات سے جھاڑ پھونک (ناپسند کرتے)

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جھاڑ پھونک ناپسند فرماتے مگر معوذات سے۔	کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکرہ الرقی الا بالمعوذات۔

بتاتے ہوئے تطبیق دکھائی. کیونکہ متعارض روایات واقوال میں پہلا درجہ تطبیق ہی کا ہے. اس کے باوجود اگر کوئی تطبیق سے متفق نہ ہو تو لامحالہ اُسے تسلیم کرنا ہوگا کہ جن روایات سے بظاہر انکار قرآنیت کا معنی نکلتا ہے وہ قراءت صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں مرجوح ہوں گی. اگرچہ ان کے رواۃ ثقہ اور معتبر ہیں مگر جب ایسی کوئی حدیث دوسری حدیثِ مشہور کے معارض ہو تو حدیث مشہور کو ترجیح ہوتی ہے. اور دوسری روایت میں انقطاعِ باطنی مانا جاتا ہے کہ راوی کو فہم معنی میں کوئی وہم عارض ہوا — ان کلمات پر ہم بحث معوذتین ختم کرتے ہیں.

حاصل بحث یہ ہوا کہ

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبلِ اجماعِ صحابہ کتابتِ معوذتین سے انکار تھا بعدِ اجماع وہ کتابت کے بھی قائل ہو گئے.

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی زمانے میں قرآنیتِ معوذتین کے منکر نہ تھے.

(۳) حضرت ابن مسعود سے مروی متواتر قراءتوں میں معوذتین موجود ہیں. یہ اس پر سب سے قوی دلیل ہے کہ وہ قرآنیتِ معوذتین کے قائل تھے متواتر کے مقابل احادیثِ آحاد اگر ایسی صحیح وصریح ہوں کہ تطبیق ناممکن ہو تو آحاد ردّ کر دی جائیں گی اور متواتر قبول کی جائے گی. وہی راجح اور معتمد ہوگی. لہٰذا ان قراءتوں کے پیشِ نظر یہ امر بالکل قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت ابن مسعود قرآنیتِ معوذتین کے قائل تھے.

(۴) رہیں احادیثِ آحاد ان کی مناسب تاویلات بیان کر دی گئیں بالفرض اِن تاویلات سے تطبیق نہیں ہوتی تو آحاد ردّ کر دی جائیں گی اور سندِ متواتر سے جو ثابت ہے اس کو قطعی طور پر قبول کیا جائے گا.

بھلا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معوذتین کی قرآنیت سے انکار کیوں کر ہوگا جبکہ وہ خود رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کر رہے ہیں کہ۔

لقد انزل علیّ آیات لم ینزل علیّ مثلھن المعوذتین۔ — مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئیں جیسی پہلے نازل نہ ہوئیں۔ وہ معوذتین ہیں۔

سرکار پر نازل ہونے والی چیز "وحی" اور کلام الٰہی ہے۔ اور کلام الٰہی اگرچہ سب یکساں ہے۔ مگر بعض میں امت کے لیے فضیلت و ثواب زیادہ ہے اسی لحاظ سے حضور معوذتین کو نازل شدہ چیزوں میں بے مثال بتا رہے ہیں جس سے قرآن کی بہت سی ان سورتوں اور آیتوں پر معوذتین کی افضلیت ثابت ہوتی ہے جنہیں سرکار نے کہیں صراحۃً معوذتین سے افضل نہیں بتایا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ سرکار غیر قرآن کو قرآن سے افضل بتا دیں ؟؟— غیر قرآن اگرچہ کلام الٰہی غیر متلو ہی ہو، یا دیگر کتب سماویہ ہوں۔ بہرحال قرآن کا سب سے افضل ہونا صراحۃً ثابت ہے، اس لیے ہرگز یہ متوقع نہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار سے سن کر معوذتین کو نازل شدہ چیزوں میں افضل و بے مثال تو مانیں مگر انہیں غیر قرآن کہہ کر اپنے سر یہ الزام لیں کہ ابن مسعود غیر قرآن کو قرآن سے افضل مانتے ہیں۔

اور یہ تو پہلے ذکر ہو چکا کہ "آیات" کا اطلاق قرآن ہی کے لیے ہوتا ہے اس لیے یہ قطعًا ناممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کو آیات اور سورتیں مان کر بھی قرآن نہ مانیں۔

اور سب سے قوی دلیل وہ قراءاتِ متواترہ ہیں جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں۔ اور ان میں معوذتین موجود ہیں۔ لہٰذا ان سب کے ہوتے ہوئے چند غیر صریح روایات سے انکارِ قرآنیت کا استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

طریقۂ دوم : حتی الوسع ہم نے روایاتِ انکار کے صحیح معانی

یا سورہ کے لقب سے یاد فرمایا ہو بیہقی کی حضرت خالد بن عمران سے روایت کردہ صرف ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت جبرئیل سرکار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے (کچھ کلمات کے بعد ہے) ثم علمہ ھذا القنوت "پھر انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ قنوت سکھایا اللھم انا نستعینک الخ۔

اولاً یہ روایت ہمارے خلاف نہیں اس میں بھی صراحت ہے کہ علمہ ھذا القنوت۔ حضرت جبرئیل نے سرکار کو یہ "قنوت" سکھایا علمہ ھذہ السورۃ یا ھاتین السورتین (یہ سورہ یا یہ دونوں سورتیں سکھائیں) نہیں ہے۔ جس سے خود ہی واضح ہے کہ یہ دعائے قنوت تو ہے سورۂ قرآن نہیں۔

ثانیاً ایسا ہرگز نہیں کہ حضرت جبرئیل نے جو کچھ بتایا ہو سب جزوِ قرآن ہی ہو۔ حدیث کے طالب علم پر مخفی نہیں کہ ایسی کتنی روایات ہیں جن میں حضرت جبرئیل کے بعض باتیں بتانے اور سکھانے کا ذکر ہے مگر وہ جزوِ قرآن نہیں۔ قرآن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بطور قرآن نازل ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن بتا کر تعلیم و تبلیغ فرمائی ہو۔ الغرض ان کلمات کا دعائے قنوت ہونا تو مسلم ہے مگر ان کی قرآنیت کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۲) خود حضرت ابی بن کعب سے ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس میں انہوں نے اس دعائے قنوت کو صراحۃً قرآن بتایا ہو۔

(۳) عہد صدیقی کی تدوین میں اعلانِ عام تھا کہ جس کے پاس جو کچھ قرآن ہو لے آئے۔ مگر حضرت ابی بن کعب کا ان سورتوں کو بطورِ قرآن پیش کرنا کہیں ثابت نہیں۔

(۴) تدوینِ ثالث میں بھی اس کا موقع تھا مگر حضرت ابی بن کعب کا ان دعاؤں کو قرآن بتا کر پیش کرنا کسی روایت میں مذکور نہیں۔ جب کہ اس تدوین میں حضرت ابی بن کعب بنفس نفیس شامل تھے۔ اور بعض روایات سے ثابت

دُعائے خَلع و دُعائے حَفد

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مُصحف میں سورۃ الناس کے بعد یہ دو دعائیں تھیں۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللّٰھم انا نستعینک و نستغفرک ونثنی علیک الخیر، ولا نکفرک و نخلع و نترک من یفجرک

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعیٰ ونحفد، نخشی عذابک ونرجوا رحمتک ان عذابک بالکفار ملحق۔

تمام روایات میں ان دعاؤں کے الفاظ یکساں اور برابر نہیں، کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر بھی ہے۔

بعض راویوں نے ان دعاؤں کو دو سورتوں سے تعبیر کیا۔ جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ دونوں دعائیں جزو قرآن ہیں۔ مگر بلاشبہ یہ دعائیں جزو قرآن نہیں۔ نہ ہی اس پر کسی دلیل کی حاجت۔ مگر جب جاہل یا متجاہل اعدائے اسلام نے انہیں پیش کر کے قرآنِ مقدس پر نقص و کمی کا الزام عائد کیا ہے۔ تو اس پر بھی تھوڑی گفتگو ضروری ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان دعاؤں کا سورہ یا جزو قرآن ہونا کسی روایت میں ثابت نہیں۔ درمنثور میں اس سے متعلق پندرہ سے زائد صحیح، حسن، ضعیف، قریبًا تمام روایات پیش کر دی ہیں۔ مگر کسی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جزو قرآن بتایا ہو

(۳) دعائے قنوت واجب ہے۔ اس ادائے واجب کے لیے یقیناً افضل وہی ہے جو سرکار سے ثابت اور آسمان سے نازل ہو۔ اس کے پیش نظر روزانہ نمازِ وتر میں ان کی حاجت ہے۔ لہٰذا ان کی حفاظت و یادداشت بھی اہم۔ ان امور کی بنا پر حضرت اُبی بن کعب نے بطور یادداشت انہیں مصحف میں ثبت کر لیا۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ انہوں نے وہ مصحف صرف اپنی یادداشت ہی کے لیے تو لکھا تھا۔ ہرگز ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ اسے تمام بلادِ اسلام میں رائج کرنا ہے نہ ہی یہ گمان کہ لوگ اسے رائج کریں گے لہٰذا جب اسے اپنی ذات تک محدود رکھنا تھا تو اگر بطور یادداشت وہ دو اہم دعائیں بھی انہوں نے لکھ لیں تو ان پر کیا اعتراض؟ انہوں نے تو یہی خیال رکھا کہ یہ غیرِ قرآن ہیں مگر بطور یادداشت میں نے لکھ لیا ہے۔

اگر وہ ان دعاؤں کو قرآن بتلاتے۔ اپنے تلامذہ کو قرآن کہہ کر پڑھاتے تو یہ شبہہ ہو سکتا تھا کہ انہیں ان دعاؤں کی قرآنیت کا گمان تھا مگر ان سے مروی قراءات متواترہ بلاشبہہ ان دعاؤں سے خالی ہیں۔ جس سے یقینی طور پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انہیں ایسا کوئی گمان بھی نہ تھا۔

حاصلِ کلام یہ کہ ان دعاؤں کا قرآن نہ ہونا صرف یہی نہیں کہ جملہ صحابہ و تابعین اور امتِ اسلامیہ کے نزدیک قطعی و یقینی ہے بلکہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی ان کی عدمِ قرآنیت ہی متعین اور متیقن ہے۔

* * *
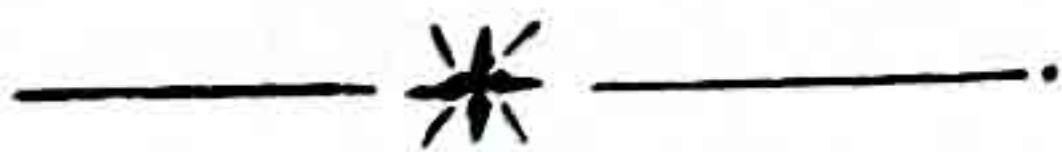
ہے کہ حضرت زید کو املا کرانے والے بھی تھے۔

⑤ بالفرض اگر کسی صحیح روایت میں حضرت ابی بن کعب کا ان دعاؤں کو جزوِ قرآن بتانا مل جائے تو بھی خبرِ واحد سے قرآنیت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس کے لیے تواتر ضروری ہے۔

⑥ مصحفِ عثمانی وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دورۂ اخیرہ کے مطابق تدوین ہوا۔ اس پر صحابۂ کرام نے اجماع و اتفاق کیا۔ اس میں جو درج تھا اُسے قرآنِ غیر منسوخ ثابت و مستقر تسلیم کیا۔ اس کے علاوہ کو بالاجماع غیر قرآن یا قرآنِ منسوخ قرار دیا۔ ان اہل اجماع میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک ہیں۔ لہٰذا جب مصحف عثمانی میں یہ دعائیں نہ لکھی گئیں اور سورۃ الناس پر قرآن ختم کر دیا گیا۔ تو بالاجماع ان کا قرآن نہ ہونا ثابت و متعین ہو گیا۔ اور ان کے عدمِ قرآنیت میں کسی شک و شبہہ کی بھی گنجایش باقی نہ رہی۔

اِن دُعاؤں کے لِکھنے کا سَبَب

حضرت ابی بن کعب نے مصحف میں یہ دعائیں محض یادداشت کے طور پر لکھیں۔ رہا یہ کہ انھوں نے ان دعاؤں کی یادداشت کو اتنی اہمیت کیوں دی؛ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ:۔

① یہ آسمان سے نازل ہوئیں۔ حضرت جبرئیل علیٰ نبینا و علیہ السّلام نے خدمتِ اقدس میں انھیں پیش کیا۔

② یہ اندرونِ نماز اس مقام میں پڑھی جاتی ہیں۔ جہاں بجز قرآن یا کسی دعاے قنوت اور تسمیہ و درود کے کسی اور چیز کا موقع نہیں۔ یعنی وتر کی تیسری رکعت کے قیام میں بعدِ قراءت انھیں پڑھا جاتا ہے۔ اگرچہ اللہ اکبر کہہ کر انھیں قراءت سے جدا کر لیا جاتا ہے پھر بھی قراءتِ قرآن سے ان کا قرب و اتصال اور مشابہتِ مقام واضح ہے۔

نے لیا اسی طرح ہر زمانے اور ہر دور میں یہ قراءات کتابت واداکی نقلِ متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچیں۔

اس لیے تمامی متواتر قراءتیں حق وصحیح، واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں۔ ان کا منکر کافر ہے۔

۴ ائمۂ قراءت

یہ قراءتیں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہوئیں۔ مگر ہر زمانے میں کچھ بزرگوں کو ان میں امامت کا درجہ حاصل رہا۔ اور وہ اس فن سے اپنے غیر معمولی شغف اور اس میں اختصاص کی بنا پر زیادہ مشہور ہوئے۔

زمانۂ مابعد میں بعض حضرات نے کسی خاص قراءت کی تعلیم واشاعت سے شغف اختیار کیا، اور ان سے خاص ایک ایک قراءت بتواتر روایت کی گئی۔ جس کے سبب وہ قراءت ان ہی کی طرف منسوب ہوئی۔ اور خاص ان کی قراءت کہلائی۔ ورنہ ہر قراءت کا مصدر ومرجع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ حقیقت مآب ہے۔

صحابہ:۔ صحابۂ کرام میں قراءت اور تعلیمِ قراءت میں سات اکابر زیادہ مشہور ہوئے۔

۱۔ حضرت عثمان ۲۔ حضرت علی ۳۔ حضرت ابی بن کعب ۴۔ حضرت زید بن ثابت ۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ۶۔ حضرت ابوالدرداء ۷۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری۔

حضرت ابی بن کعب سے خود صحابہ کی ایک جماعت نے فنِ قراءت حاصل کیا۔ جن میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی شامل ہیں۔

حضرت ابن عباس نے حضرت زید سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔

تابعین:۔ صحابۂ کرام سے تابعین کی ایک عظیم جماعت نے قراءت سیکھی

اِختلافِ قراءت

اختلافِ قراءت کیا چیز ہے؟ — کیا اختلافِ قراءت سے قرآن کے معانی میں اتنی تبدیلی ہوجاتی ہے کہ حلال وحرام کا فرق ہوجائے۔ ایک قراءت سے کسی چیز کا جواز ہو اور دوسری سے اسی کا عدم جواز نکلتا ہو؟ — یہ اختلاف کب سے اور کیونکر پیدا ہوا؟ — ائمہ قراءت کون تھے؟ — قراءات سبعہ وعشرہ کسے کہتے ہیں؟

یہ اس موضوع کے بنیادی سوالات ہیں جنہیں اگلی سطور میں بیان کرنا مقصود ہے۔

(۱و۲) اختلافِ قراءت کا ایک نقشہ ہم اگلے صفحات میں پیش کریں گے جس سے واضح ہو گا کہ یہ معمولی اختلافات ہیں۔ صرف بعض کلمات یا حروف، یا حرکات یا طریقِ ادا کا فرق ہے۔ اور معانی میں ہرگز ایسی غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوتی جس سے کوئی جائز، ناجائز یا حرام، حلال ہوجائے۔

(۳) صفحاتِ گزشتہ میں تفصیلاً اس کا ذکر آچکا ہے کہ عرب کے فصیح قبائل کی زبانوں اور طریقِ ادا میں فرق تھا۔ جس کے پیش نظر قرآن سات لہجوں میں نازل ہوا۔ خلافتِ عثمانی میں اوّلین زبانِ نزول، زبانِ قریش کے اور قرآن کے دورۂ اخیرہ کے موافق مصحف شریف کی تدوین ہوئی۔ مگر بعض فرق کلمات و حروف وحرکات وادا جو عرضۂ اخیرہ میں باقی رہے، اور جن کی روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت تھی۔ وہ علیٰ حالہ قائم رکھے گئے۔ یہی مختلف قراءات ہیں۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام کی کثیر جماعت نے سیکھا، اور صحابہ سے تابعین نے حاصل کیا، اور تابعین سے تبع تابعین

اسماعیل بن عبد اللہ بن مہاجر۔ پھر یحییٰ بن حارث ذماری، پھر شریح بن یزید حضرمی زیادہ مشہور رہوئے۔

قراءاتِ سبعہ

اور ان میں سے ائمہ سبعہ کو عالم گیر شہرت اور عظیم درجۂ امامت حاصل ہوا۔ آج انہیں کی قراءتیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کے دور میں خود ان سے بے شمار حضرات نے فن قراءت کی تحصیل کی مگر ان کے تلامذہ میں سے بھی چند ہی حضرات شہرتِ دوام وعام سے سرفراز ہوئے۔

ان ساتوں اماموں کی قراءتیں متواتر ہیں۔ اور ہر قاری کی طرف ایک قراءت منسوب ہے۔ ان قاریوں میں سے ہر ایک کے دو۲ خاص راوی ہیں۔ جن سے ان کی قراءتیں مروی ہیں۔

پھر ان رُواۃ کا بھی ایک سلسلۂ تعلیم ہے جس طرح اس وقت احادیث کا سلسلۂ اسناد فاضلِ حدیث سے مصنفینِ کتب حدیث پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ہوتا ہے۔ اسی طرح قراءت کا سلسلۂ اسناد بھی فاضل قراءت سے لے کر کسی امامِ قراءت یا ائمۂ سبعہ تک اور پھر ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ہوتا ہے۔

ان ائمۂ قراءت اور ان کے رُواۃ کے مختصر حالات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

نمبر	قاری	راوی	راوی	نمبر	قاری	راوی	راوی
۱	نافع مدنی	قالون	ورش	۵	عاصم کوفی	شعبہ	حفص
۲	ابن کثیر مکی	بزّی	قنبل	۶	حمزہ کوفی	خلف	خلاد
۳	ابوعمرو بصری	دُوری	سوسی	۷	کسائی	ابوالحارث	دُوری
۴	ابن عامر شامی	ہشام	ابن ذکوان		۔	۔	۔

ساتوں قاریوں کے راوی تو بے شمار ہیں مگر ہر قاری کے دو دو راوی زیادہ مشہور ہیں جن سے آج کل بھی روایتِ قراءت جاری ہے اس لیے انہیں حضرات کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

جن کی مختصر فہرست یہ ہے۔

مدینہ میں: ۱۔ عبداللہ بن مسیب ۲۔ عروہ ۳۔ سالم ۴۔ عمر بن عبدالعزیز ۵۔ سلیمان بن یسار ۶۔ عطاء بن یسار ۷۔ معاذ بن حارث معروف بہ قاضی قاری ۸۔ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج ۹۔ ابن شہاب زہری ۱۰۔ مسلم بن جندب ۱۱۔ زید بن اسلم۔

مکہ میں: ۱۔ عبید بن عمیر ۲۔ عطاء بن ابی رباح ۳۔ طاؤس ۴۔ مجاہد ۵۔ عکرمہ ۶۔ ابن ابی ملیکہ۔

کوفہ میں: ۱۔ علقمہ ۲۔ اسود ۳۔ مسروق ۴۔ عَبِیدہ ۵۔ عمرو بن شرجبیل ۶۔ حارث بن قیس ۷۔ ربیع بن خُثَیم ۸ عمرو بن میمون ۹۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی ۱۰۔ زِر بن حبیش ۱۱۔ عبید بن نضلہ ۱۲۔ سعید بن جبیر ۱۳۔ نخعی ۱۴۔ شَعبی۔

بصرہ میں: ۱۔ ابو عالیہ ۲۔ ابو رجاء ۳۔ نصر بن عاصم ۴۔ یحیٰی بن یعمر۔ ۵۔ حسن ۶۔ ابن سیرین ۷۔ قتادہ۔

شام میں: ۱۔ مغیرہ بن شہاب مخزومی شاگرد حضرت عثمان ۲۔ خلیفہ بن سعد تلمیذ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ وہ حضرات تھے جو قراءت میں اور لوگوں کی نسبت زیادہ نمایاں اور ممتاز شہرت کے حامل تھے اس کے بعد کچھ لوگوں نے قراءت کو اپنے خاص فن کی حیثیت سے اختیار کیا۔ اور اس پر زیادہ توجہ صرف کی جس کے باعث لوگوں نے ان کو اپنا مرجع و مقتدا بنا لیا۔

ان حضرات میں سے مدینہ میں ابو جعفر یزید بن قعقاع پھر شیبہ بن نصاح پھر نافع بن نعیم ــــ مکہ میں عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس الاعرج، محمد بن ابی محیصن ــــ کوفہ میں یحیٰی بن وثاب، عاصم بن ابی النجود اور سلیمان اعمش پھر حمزہ پھر کسائی ــــ بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحٰق، عیسیٰ بن عمر، ابو عمرو بن العلاء، عاصم جحدری پھر یعقوب حضرمی ــــ شام میں عبداللہ بن عامر، عطیہ بن قیس کلابی

دینا شروع کرو۔

پھر آپ نے ستر سال درس دیا۔ پورے سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

ورش عثمان بن سعید نام، ابو سعید کنیت، ورش لقب ہے۔ اور یہ بھی لقب ہی سے مشہور ہیں۔ ولادت ۱۱۰ھ مصر۔ وفات ۱۹۷ھ مصر۔ عمر ۸۷ سال۔

مصر سے مدینۂ منورہ آکر امام نافع سے قراءت کی تعلیم حاصل کی۔ انتہائی خوش آواز تھے اسی وجہ سے امام نافع نے انہیں "ورشان" لقب عطا فرمایا تھا۔

"ورشان" نر فاختہ کو کہتے ہیں۔ کثرت استعمال سے الف نون حذف ہو کر ورش رہ گیا۔ یونس بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں کہ ورش خوش قراءت اور خوش الحان تھے۔ ان کی قراءت سننے والوں پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی مدینۂ منورہ میں تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۵۵ھ میں مصر واپس آگئے۔ اور وہیں کارِ تدریس میں مصروف ہوئے۔

② ابن کثیر مکی عبداللہ بن کثیر نام، ابو معبد کنیت، ولادت ۴۵ھ مکہ بزمانہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وفات ۱۲۰ھ مکہ معظمہ بعہد ہشام ابن عبدالملک۔

دوسرے طبقہ کے تابعی تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری، عبداللہ بن زبیر قرشی، انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ عبداللہ بن سائب صحابی سے تحصیل علم کی تھی۔ عراق میں عرصہ تک رہنے کے بعد مکہ معظمہ پھر واپس آگئے۔ اور قاضی مقرر ہوتے۔ مشہور محدث وفقیہ سفیان بن عیینہ، امام النحو خلیل بن احمد جیسے ائمہ آپ کے شاگرد تھے۔

ان کے رواۃ میں بزّی اور قنبل زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

بزّی احمد بن محمد نام، کنیت ابو الحسن۔ ولادت ۱۷۰ھ وفات ۲۵۰ھ مکہ معظمہ۔

قراءات عشرہ

ان ساتوں قاریوں کے ساتھ تین قراء ابو جعفر (یزید بن القعقاع) یعقوب اور خلف کی قراءتیں قراءتِ عشرہ اور یہ حضرات قراء عشرہ کہلاتے ہیں۔ ان ائمہ کی قراءتیں بھی متواتر ہیں۔

(۱) نافع مدنی

نافع نام۔ ابورُوَیم کنیت، ولادت ۷۰ھ تقریباً۔ وفات ۱۶۹ھ۔

مدینہ طیبہ میں ستر تابعین سے تحصیل قراءت کی۔ خود بھی تابعی تھے۔ کلام کرتے تو منہ سے مشک کی خوشبو آتی۔ پوچھا گیا۔ آپ خوشبو لگا کر پڑھاتے ہیں؟ فرمایا۔ نہیں۔ میں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ میرے منہ میں قراءت فرما رہے ہیں۔ جب ہی سے یہ خوشبو آتی ہے۔

مدینہ منورہ میں بلا اختلاف امام قراءت مانے جاتے تھے۔ مدینہ ہی میں قیام رہا۔ اور وہیں جنۃ البقیع میں مدفون ہیں۔ قریباً سو سال عمر پائی۔

تلامذہ کی تعداد بہت ہے جن میں اسماعیل بن جعفر انصاری۔ اصمعی اور امام مالک جیسی عظیم شخصیتیں بھی ہیں۔ تمام علما اس کی توثیق کرتے ہیں کہ امام نافع ستر برس سے زیادہ مسند درس پر فائز رہے۔ آپ کے راویوں میں قالون اور ورش زیادہ مشہور ہیں

قالون

عیسیٰ بن مینا نام۔ ابو موسیٰ کنیت، قالون لقب، جس سے شہرت ہوئی۔ ولادت ۱۲۰ھ مدینہ منورہ۔ وفات ۲۲۰ھ مدینہ منورہ۔

قالون رومی لفظ ہے جس کے معنی "جَیِّد" (عمدہ) ہیں۔ امام نافع ہی نے انہیں یہ لقب عطا کیا تھا۔ کان کے بہرے تھے لیکن یہ انعام خداوندی تھا کہ قرآن کریم سننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ ۱۵۰ھ تک امام نافع سے پڑھتے رہے۔

خود فرماتے ہیں کہ میں جب امام نافع سے ان کی قراءت ان گنت مرتبہ پڑھ چکا تو امام نافع نے فرمایا، تم مجھ سے کب تک پڑھتے رہو گے اب درس

شاعر اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ دوری نے قراءتیں جمع کیں۔ اور ان کے متعلق ایک کتاب بھی لکھی۔ متعدد حضرات سے حدیثیں سنیں۔ قرآن و تفسیر کے عالم تھے۔

سوسی صالح بن زیاد نام۔ ابو شعیب کنیت۔ ولادت ۱۷۱ھ تقریباً وفات محرم ۲۶۱ھ خراسان۔ اہواز کے موضع سوس میں پیدا ہوئے۔ علامہ یزیدی سے تحصیل قراءت کی۔ ان ہی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں رقہ جو دریائے فرات کے کنارے ارض ربیعہ کا ایک شہر ہے وہیں رہتے تھے۔ ۹۰ سال عمر پائی۔

(۴) ابن عامر شامی

عبداللہ نام۔ ولادت ۲۱ھ وفات ۱۰ محرم ۱۱۸ھ دمشق بعہد ہشام بن عبدالملک۔ دمشق کے رہنے والے تابعی ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پڑھا۔

جن میں مغیرہ بن ابی شہاب اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں۔ ابن عامر شامی باعتبار زمانہ و بلحاظ شیوخ سب سے مقدم ہیں۔ شام کے ایک گاؤں میں جس کو رحاب یا جابیہ کہتے ہیں۔ پیدا ہوئے۔ نو سال کی عمر میں دمشق تشریف لائے۔ اور وہیں قیام فرمایا۔ دمشق کے قاضی بھی تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت کے زمانے میں ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

رواۃ میں ہشام اور ابن ذکوان زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں حضرات ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

ہشام ہشام بن عمار نام۔ ولادت ۱۵۳ھ دمشق۔ وفات آخر محرم ۲۴۵ھ دمشق۔

یہ ابو الضحاک عراک بن خالد مُرّی تابعی اور ابو سلیمان ایوب بن تمیم تمیمی سے اور یہ دونوں یحییٰ بن حارث ذماری سے اور یہ ابن عامر شامی سے

اپنے جدِ اعلیٰ ابو بزّہ کی طرف نسبت کی بناء پر بزّی کہلاتے ہیں۔
بزّی، عکرمہ بن سلیمان سے، یہ اسمٰعیل بن عبد اللہ قسط اور شبل بن عباد سے اور یہ دونوں حضرات امام ابن کثیر سے روایت کرتے ہیں۔

قنبل

محمد بن عبد الرحمٰن (مخزومی مکی) نام، ابو عمر کنیت۔ قنبل لقب
ولادت ۱۹۵ھ۔ وفات ۲۹۱ھ۔ عمر ۹۶ سال۔
قراءت میں حجاز کے امام اور رئیس القراء تھے۔ مکہ میں ان کا گھرانہ آج تک قنابلہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) ابو عمرو بصری

ابو عمرو بن العلاء مازنی۔ نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے کنیت ہی کو نام کہا ہے۔
ولادت ۶۸ھ مکہ معظمہ۔ وفات ۱۵۴ھ کوفہ۔
بصرہ میں پرورش پائی۔ تابعی ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ قراءت، عربیت، لغت، انساب، تاریخ اور شاعری میں اعلم الناس تھے۔
حضرت حسن بصری آپ کے مداح تھے۔ رمضان میں کبھی شعر نہ پڑھتے شام جاتے ہوئے کوفہ میں وفات پائی۔
ان کے راویوں میں دُوری اور سُوسی زیادہ مشہور ہیں۔ یہ دونوں ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

دُوری بصری

حفص بن عمر نام۔ ابو عمر کنیت۔ ولادت ۱۵۰ھ دُور
وفات ۲۴۶ھ سامرہ۔
بغداد کے قریب ہی دُور نامی ایک قریہ ہے اسی کی طرف نسبت کے باعث دُوری کہلاتے ہیں۔ اپنے استاد ابو محمد یحیٰی بن مبارک بصری معروف بہ یزیدی کے واسطے سے ابو عمرو بصری کی قراءت، روایت کرتے ہیں۔ یزیدی بڑی شان کے ساتھ بغداد میں رہتے تھے۔ یزید بن منصور کے لڑکوں کے اتالیق ہونے کے باعث یزیدی سے مشہور ہو گئے۔ قراءت، حدیث، نحو اور لغت کے ماہر،

عاصم سے زیادہ قرآن مجید کا عالم نہیں پایا"۔ فصاحت وبلاغت، ضبط واتقان اور تجوید میں کمال رکھتے تھے۔ طرز ادا اور لہجہ عجیب تھا۔ خوش الحانی میں بے نظیر تھے۔ ساتھ ہی عابد و زاہد اور کثیر الصلوٰۃ بھی تھے۔ وفات کے وقت آیۃ ثُمَّ رُدُّوا الی اللہ مولٰھم الحق بار بار پڑھ رہے تھے۔

پچاس سال تک مسندِ درس پر فائز رہے۔ آپ کے شاگرد بہت ہیں۔ کتنے تلامذہ تو خود اکابر ائمہ ہیں۔ جیسے امام ابو حنیفہ، حضرت فضیل اور حضرت حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

رواۃ میں ان کے دو شاگرد زیادہ مشہور ہیں۔ ابوبکر شعبہ ؒ، دوسرے حفص بن سلیمان۔

امام شعبہ شعبہ نام۔ کنیت ابوبکر۔ ولادت ۹۵ھ کوفہ۔ وفات ۱۲؍ جمادی الآخرہ ۱۹۳ھ کوفہ۔

عالم و فاضل تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "شعبہ ثقہ، صالح، صدوق اور صاحبِ قرآن و سنت تھے"۔ خود فرماتے ہیں: "میں نے کبھی کوئی منکر نہیں کیا۔ اور تیس۳۰ سال سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ کہ روزانہ ایک ختم قرآن شریف کرتا ہوں"۔

ستر سال عبادت میں گذار دیے۔ اور چالیس۴۰ سال ان کے لیے بستر نہیں بچھایا گیا۔ اس عرصہ میں زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔ تلاوتِ قرآن سے خاص شغف تھا۔ حد یہ ہے کہ نشست کے لیے جو جگہ مقرر کی تھی وہاں چوبیس ہزار ختم قرآن فرمایا۔

امام عاصم سے تینتیس۳۳ سال کی عمر میں تین مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ پانچ پانچ آیتیں پڑھ کر تین سال میں ختم کیا۔ امام کسائی وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں۔

امام حفص حفص بن سلیمان نام۔ ابو عمر کنیت۔ ولادت ۹۰ھ وفات ۱۸۰ھ۔

روایت کرتے ہیں۔

ہشام حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ بخاری، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور محدثین کی ایک جماعت کثیرہ ان سے روایت کرتی ہے۔ عقل و درایت فصاحت و بلاغت، نقل و روایت، اور علم و فضل میں مشہور تھے۔

ابن ذکوان عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان نام۔ ابو عمرو کنیت ولادت عاشوراء ۱۷۳ھ دمشق۔ وفات شوال ۲۴۲ھ دمشق۔

ہشام کی طرح ابو سلیمان ایوب بن تمیم تمیمی سے بہ سند مذکور روایت کرتے ہیں ان سے ابو داؤد، ابن ماجہ وغیرہما محدثین کی ایک جماعت روایتِ حدیث کرتی ہے ولید بن عتبہ فرماتے ہیں۔ تمام عراق میں ان سے بہتر قرآن شریف پڑھنے والا کوئی نہیں تھا۔ ابو زرعہ کہتے ہیں: "قراءتِ قرآن میں حجاز، شام، مصر، اور خراسان میں۔ ان کا کوئی ثانی نہ تھا" ایوب بن تمیم کے بعد دمشق کی ریاستِ قرآن ان ہی پر منتہی ہوتی ہے۔

⑤ امام عاصم کوفی

عاصم بن ابی النجود نام۔ ابوبکر کنیت۔ وفات ۱۲۷ھ۔

عبداللہ بن حبیب سلمی۔ زر بن حبیش، سعید بن عیاش شیبانی سے تحصیلِ قراءت کی۔ یہ تینوں حضرات کبارِ تابعین سے ہیں۔ اور بلا واسطہ حضرت عثمان حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد ہیں۔

امام عاصم خود بھی تابعی ہیں۔ حارث بن حسان اور دیگر صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "عاصم صاحبِ قراءت ہیں اور میں ان کو زیادہ پسند کرتا ہوں"۔ عجلی فرماتے ہیں: "عاصم صاحبِ سنت و قراءت ثقہ اور رئیس القراء تھے"۔

ابو اسحٰق ربیعی فرماتے ہیں: "میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا۔ اور

خلف خلف بن ہشام بزار۔ خود ائمہ عشرہ سے ہیں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الآخرہ ۲۲۹ھ بغداد میں وفات پائی۔

دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر چکے تھے اور تیرہویں سال میں سماعت حدیث کی۔ عابد و زاہد، صائم الدہر، ثقہ اور جلیل الشان امام تھے۔ حفاظِ حدیث میں سے ہیں ان سے امام مسلم و امام ابوداؤد وغیرہما محدثین روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

خلاد خلاد بن خالد صیرفی نام۔ ابوعیسیٰ کنیت۔ وفات ۲۲۰ھ کوفہ میں۔

قوی الحافظ، ثقہ، محقق، مجوّد، صاحب ضبط و اتقان تھے۔ جامع ترمذی اور صحیح ابن خزیمہ میں ان سے حدیث مروی ہے۔

⑦ امام کسائی کوفی علی بن حمزہ کوفی نام، ابوالحسن کنیت، ولادت ۱۱۹ھ کوفہ۔ وفات ۱۸۹ھ احرام کی حالت میں کساء (کملی) پہنتے تھے اسی لئے کسائی سے مشہور ہوگئے۔

امام حمزہ، عیسیٰ بن عمرو اور ابوبکر بن عیاش سے تحصیل فن کی۔ علم قراءت کے امام ہونے کے علاوہ نحو ولغت کے بھی امام تھے۔ معانی القرآن، کتاب النحو نوادر کبیر وغیرہا ان کی تصانیف ہیں۔ سیبویہ سے ان کا مناظرہ ہوا تھا۔

ہارون کے ساتھ "رے" جاتے ہوئے موضع مرنبویہ میں وفات پائی وہیں امام محمد شاگرد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے بھی وفات پائی۔ جس پر ہارون نے کہا تھا "ہم نے فقہ اور قراءت کو یہاں دفن کر دیا"۔

ان کے شاگردوں میں دو راوی زیادہ مشہور ہیں۔ ابوالحارث اور دوری۔

ابوالحارث لیث بن خالد (مروزی بغدادی) نام۔ ابوالحارث کنیت ثقہ، ضابط، صالح، محقق اور قراءت کے ماہر امام کسائی کے اجل تلامذہ سے تھے ۲۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔

دوری ان کا حال گزر چکا۔ چونکہ یہ ابوعمرو بصری اور امام کسائی دونوں کے راوی ہیں اس لیے امام کسائی کی روایت بیان کرتے

امام عاصم کے ربیب (پروردہ) تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ حفص و شعبہ امام عاصم کی قراءت میں اعلم الناس تھے۔ اور حفص ابوبکر شعبہ سے اقرأ تھے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ "قراءت میں حفص ثقہ ضابط تھے۔" امام عاصم سے متعدد بار قرآن شریف پڑھا۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ساتھ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ جو کچھ اپنے استاد سے پڑھتے اسے خوب یاد رکھتے۔

⑥ امام حمزہ کوفی

حمزہ بن حبیب الزیات نام۔ کنیت ابوعمارہ، ولادت ۸۰ھ کوفہ۔ وفات ۱۵۶ھ حلوان۔

تبع تابعی ہیں۔ امور شرعیہ میں بڑے محتاط، عابد و زاہد اور قائم اللیل تھے تلاوت قرآن کا شوق بہت زیادہ تھا۔ ہر مہینہ ۲۵-۲۶ بار قرآن شریف ختم کرتے علم فرائض میں بڑے ماہر تھے۔ ابن فضیل فرماتے ہیں "کوفہ سے امام حمزہ کے باعث بلا دور ہوتی ہے" ان کے استاد حضرت اعمش انہیں دیکھتے تو فرماتے یہ "حبر قرآن ہے"۔

امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔ "حمزہ قراءت اور فرائض میں بلا نزاع ہم سب پر فائق ہیں"۔

امام قراءت کسائی۔ سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادہم جیسے جلیل القدر حضرات امام حمزہ کے شاگردوں میں ہیں۔

ان کے رواۃ میں خلف اور خلاد زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں حضرات بواسطۂ ابوعیسیٰ سلیم بن عیسیٰ کوفی امام حمزہ سے روایت کرتے ہیں۔

کوفہ کے اندر ۱۳۰ھ میں حضرت سلیم کی ولادت ہوئی اور ۱۸۸ھ یا ۲۰۰ھ میں وہیں وفات پائی۔ امام حمزہ کے تلامذہ میں خاص جلالت رکھتے تھے۔ یحییٰ فرماتے ہیں کہ جب سلیم آتے تو امام حمزہ فرماتے مؤدب ہو جاؤ سلیم آرہے ہیں۔ امام سلیم خود فرماتے ہیں میں نے امام حمزہ سے دس مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ اور ایک حرف میں بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔

پاس حاضر کیے گئے۔ انہوں نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت کی۔

واقعۂ حرّہ ۶۳ھ سے پہلے مدینہ میں یہ سب سے بڑے قاری تھے۔

امام نافع بن ابی نعیم، سلیمان بن مسلم، عیسیٰ بن وردان، امام ابوعمرو، عبدالرحمن بن زید بن اسلم، اور خود ان کے دونوں فرزند اسماعیل و یعقوب نے ان سے روایتِ قراءت کی ہے۔ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج جیسے جلیل القدر تابعی پر اس زمانے میں انہیں مقدم کیا جاتا۔

صوم داؤدی (ایک دن روزہ ایک دن افطار) کے پابند تھے۔ فرماتے اس روزے سے اپنے نفس کو عبادت الٰہی کے لیے تیار کرتا ہوں۔ درمیانِ شب چار رکعت نماز ادا کرتے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد طوالِ مفصّل (حجرات تا بروج) کی کوئی سورہ پڑھتے۔ بعدِ نماز اپنے لیے، تمام مسلمانوں کے لیے اور ان سب لوگوں کے لیے دعائیں کرتے جنہوں نے ان سے پڑھا اور ان کے بعد یا ان سے پہلے ان کی قراءت کی۔ امام نافع بیان کرتے ہیں۔ بعدِ وفات جب امام ابوجعفر کو غسل دیا جا رہا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کے گلے سے دل تک ورقِ مصحف کی طرح روشن ہے۔ دیکھنے والوں کو اس میں کوئی شک نہ رہا کہ یہ نورِ قرآن تھا۔ مدینہ کے اندر ۱۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) خلف بن ہشام بغدادی

رُواۃِ امام حمزہ کے ضمن میں ان کے حالات گزر چکے۔

ارباب تصنیف

ابوعمرو دانی:۔ عثمان بن سعید بن عثمان بن سعید اموی۔ ولادت ۳۷۱ھ۔ وفات ۱۵ شوال ۴۴۴ھ دانیہ۔

تصانیف (۱) کتاب التیسیر (۲) جامع البیان فی القراءات السبع (۳) المقنع فی رسم المصحف۔ (۴) المحکم فی النقط (۵) المحتوی فی القراءات

وقت دوری علی یا دوری کسائی ــــ اور ابو عمرو بصری کی روایت کے وقت دوری بصری لکھتے ہیں۔

(تیسیر الطبع فی اجراء السبع از مولانا محمد حسین اشرفی۔ مقدمہ)

⑧ یعقوب حضرمی بصری

(قاری عشرہ) ولادت ۱۱۷ھ وفات ۲۰۵ھ۔

جماعت کثیرہ سے تحصیل قراءت کی۔ امام کسائی، محمد بن زریق کوفی، اور امام حمزہ سے بھی سماع حاصل ہے ـــ ان کی سندِ قراءت یہ ہے ـــ یعقوب بن زید، سلام، عاصم۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی۔ علی بن ابی طالب۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ان سے جماعت کثیرہ نے تحصیلِ قراءت کی ہے۔ بصرہ کی جامع مسجد کے امام ہمیشہ یعقوب ہی کی قراءت پر نماز پڑھتے۔ ان کے باپ اور دادا دونوں حضرات قاری ہیں صاحبِ فضل و کمال، متقی و زاہد تھے۔ زہد اور خدا کی طرف توجہ کا حال یہ تھا کہ ایک بار نماز میں ان کے کاندھے سے چادر چرالی گئی۔ مگر انہیں خبر نہ ہوئی پھر چادر لاکر رکھ دی گئی تو بھی انہیں پتہ نہ چلا۔

قرآن، عربیت، روایتِ حدیث، اور فقہ میں کمال حاصل تھا۔ ابو حاتم فرماتے ہیں۔ ہم نے جن لوگوں کو پایا۔ ان میں یعقوب سب سے بڑے قاری و عالم تھے ذی الحجہ ۲۰۵ھ میں اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے باپ، دادا اور پردادا کی بھی یہی عمریں تھیں، تمام حضرات نے اٹھاسی سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

⑨ ابو جعفر یزید بن القعقاع مدنی

وفات ۱۳۰ھ مدینہ۔

عبداللہ بن عیاش مخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اپنے مولیٰ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ۔ عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تحصیلِ قراءت کی۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مروان بن الحکم سے بھی سماع حاصل ہے۔ کمسنی میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے

نشر تقریب (۳) تحبیر التیسیر فی القراءات العشر (۴) طبقات القراء و تاریخہم - کبریٰ و صغریٰ (۵) شرح المصابیح ۳ جلدیں (۶) غایۃ المہرہ فی الزیادۃ علی العشرہ (۷) طیبۃ النشر فی القراءات العشر (منظوم) (۸) الجوہرۃ فی النحو وغیرہا.

(مفتاح السعادۃ و مصباح السیادہ فی موضوعات العلوم احمد بن مصطفیٰ طاش کبریٰ زادہ ج ۲ ص ۶ تا ۵۶)

نقشۂ اختلافِ قراءت

سورۃ النور پارہ ۱۸

قاری	(۱) نافع مدنی	(۲) ابن کثیر مکی	(۳) ابو عمرو بصری	(۴) ابن عامر شامی	(۵) عاصم کوفی	(۶) حمزہ کوفی	(۷) کسائی
راوی	۱. قالون	۱. بزی	۱. دوری	۱. ہشام	۱. شعبہ	۱. خلف	۱. ابوالحارث
راوی	۲. ورش	۲. قنبل	۲. سوسی	۲. ابن ذکوان	۲. حفص	۲. خلاد	۲. دوری

الشواذ (۶) طبقات القراء ۔ ۲ جلدیں۔ (۷) شرح قصیدۃ الخاقانی فی التجوید وغیرہا۔

امام شاطبی :- قاسم بن فیرہ۔ ولادت ۵۳۸ھ شاطبہ (قریہ اندلس) وفات ۲۸ جمادی الآخرہ ۵۹۰ھ قاہرہ۔

تصنیفات:- میں سب سے اعلیٰ قصیدۂ لامیہ شاطبیہ اور قصیدۂ رائیہ ہیں

امام سخاوی :- علی بن محمد بن عبدالصمد ہمدانی سخاوی ولادت ۵۵۸ھ یا ۵۵۹ھ سخا (مصر) وفات ۱۸ جمادی الآخرہ ۶۴۳ھ۔

تصانیف :- (۱) فتح الوصید شرح شاطبیہ (شاطبیہ کی سب سے پہلی شرح (۲) الوسیلہ الی شرح العقیلہ۔ امام شاطبی کے قصیدۂ رائیہ کی شرح (۳) المفضل فی شرح المفصل (نحو) ۴ جلدیں (۴) سفر السعادہ و سفیر الافادۃ (مفصل ہی کی دوسری شرح) (۵) زمخشری کے "احاجی نحویہ" کی شرح (۶) چار جلدوں میں سورۂ کہف تک کی تفسیر (۷) القصائد السبع فی مدح سید الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۸) المفاخرۃ بین دمشق والقاہرۃ وغیرہا۔

شیخ جعبری :- ابواسحٰق ابراہیم بن عمر جعبری ولادت ۶۴۰ھ تقریباً (قلعہ جعبر) وفات ۱۳ رمضان ۷۳۲ھ۔

تصنیفات میں شاطبیہ و رائیہ کی شرحیں اور بہت سی کتابیں ہیں۔

ابویوسف ہمدانی :- منتخب الدین بن ابی العز بن رشید۔ وفات ۶۴۳ھ دمشق۔

تصنیفات میں شرح شاطبیہ و شرح مفصل ہیں۔

امام جزری :- محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف جزری ولادت شب شنبہ ۲۵ رمضان ۷۵۱ھ دمشق۔ وفات چاشت جمعہ ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ شیراز۔

تصنیفات :- (۱) النشر فی القراءات العشر دو جلدیں (۲) مختصر

شمارہ کلمات خلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۷	لَعۡنَہۡ (وقف میں) لَعۡنَتۡ (٠)	۷ ٠	تاکو ہا سے بدل کر تاکو ساکن کرکے	مکیؒ بصریؒ کسائیؒ باقی قراء	یہ کہ اللہ کی لعنت ٠
۸	الخامسۃَ الخامسۃُ	۹ ٠	تاکو نصب تاکو رفع	حفص باقی قراء	پانچویں (یوں گواہی دے) پانچویں گواہی یہ کہ
۹	أَنۡ غَضِبَ اللّٰہُ أَنَّ غَضَبَ اللّٰہِ	۹ "	اَنۡ مخفف، ضاد کو کسرہ، ہا کو ضمہ اَنَّ مشدّد، ضاد کو فتحہ، ہا کو کسرہ	نافع باقی قراء	اللہ غضب کرے (اس پر) اللہ کا غضب (اس پر)
۱۰	لَاتَحۡسِبُوہ تَحۡسِبُونہ یَحۡسِبہ لَاتَحۡسِبَنَّ (مذکورہ چہار کلمات)	۱۱ ۱۵ ۳۹ ۵۷	سین کو زیر " " " سین کو زبر	نافعؒ ابن کثیرؒ کیؒ ابوعمرو بصریؒ " " " باقی قراء	اسے نہ سمجھو تم اسے سمجھتے ہو اسے سمجھتا ہے ہرگز نہ سمجھنا (ایضاً)
۱۱	لَایَحۡسَبَنَّ لَاتَحۡسَبَنَّ	۵۷	یا کے ساتھ تاءِ خطاب کے ساتھ	ابن عامرؒ حمزہ باقی قراء	ہرگز نہ سمجھے ہرگز نہ سمجھنا

شمارہ کلمات اختلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۱	فَرَّضْنٰهَا	۱	را مشدد	ابن کثیر مکی، ابو عمرو بصری	ہم نے اسے خوب فرض کیا
	فَرَضْنٰهَا	۰	را مخفف	باقی قراء	ہم نے اسے فرض کیا
۲	تَذَكَرُوْنَ	۲۷ اور	ذال مخفف	حفص، حمزہ، کسائی	(تاکہ تم) دھیان کرو
	تَذَّكَّرُوْنَ	۰	ذال مشدد	باقی قراء	"
۳	رَاَفَةٌ	۲	ہمزہ مفتوحہ	ابن کثیر	رحم، ترس
	رَاْفَةٌ	"	ہمزہ ساکنہ	باقی قراء	" "
	رَافَةٌ	۰	الف	سوسی	" "
۴	الْمُحْصِنٰتُ	۲۳ و ۲۴	صاد کو زیر	کسائی	پارسا عورتیں
	الْمُحْصَنٰتُ		صاد کو زبر	باقی قراء	"
۵	اربعُ شهٰدات	۶	عین کو پیش	حمزہ، کسائی، حفص	(ایسے کسی کی گواہی) چار گواہیاں ہیں
	اربعَ شهٰدات	۰	عین کو زبر	باقی قراء	(ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہیاں دے
۶	اَنْ لَعْنَتُ	۷	اَن بلا تشدید نون تا کو ضمہ	نافع	یہ کہ اللہ کی لعنت
	اَنَّ لَعْنَتَ	۰	اَنّ بنون مشدد تا کو فتحہ	باقی قراء	"

شمارہ کلمات خلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۱۸	جُیُوبِهِنَّ جِیُوبِهِنَّ	۳۱ ۰	جیم کو پیش جیم کو زیر	نافع، ابوعمرو، ہشام، عاصم باقی قراء	اپنے گریبانوں ۔
۱۹	غَیْرَ اُولِی غیرِ اُولِی	۳۱ ۰	را کو زبر را کو زیر	ابن عامر، شعبہ باقی قراء	شہوت والوں کے علاوہ جو شہوت والے نہ ہوں
۲۰	اَیُّهُ المومنون اَیُّهَ المومنون ایھا (بحالت وقف) اَیُّهْ ٠	۳۱	ہا کو پیش ہا کو زبر ہا مع الف ہ موقوفہ	ابن عامر (بحالت وصل) باقی قراء ابوعمرو، کسائی باقی قراء	اے ایمان والو " " "
۲۱	مُبَیِّنٰت مُبَیَّنٰت	۳۴ و ۴۶	یا کو زیر یا کو زبر	ابن عامر، حفص، حمزہ، کسائی باقی قراء	صاف بیان کرنے والی آیتیں روشن آیتیں
۲۲	دِرِّیْءٌ دُرِّیٌّ دُرِّیْءٌ	۳۵	دال کو زیر، یا ساکن پھر ہمزہ دال کو پیش، بغیر یاء مدہ بجائے ہمزہ یا مشدد دال کو پیش، یا ساکن پھر ہمزہ	ابوعمرو، کسائی نافع، ابن کثیر، ابن عامر، حفص حمزہ، شعبہ	موتی سا چمکتا " "

شمارہ کلمات خلافیہ	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۱۲	إِذْ تَلَقَّوْنَهُ إِذْ تَلَقَوْنَهُ	۱۵	تا مشدد تا مخفف	نافع، مکی، بصری باقی قراء	جب تم ایسی بات ایک دوسرے سے سن کر لاتے
۱۳	رَءُفٌ رَءُوفٌ	۲۰	بغیر واو واو کے ساتھ	ابوعمرو، شعبہ، حمزہ، کسائی باقی قراء	مہربان "
۱۴	خُطُوات (دونوں جگہ) خُطْواتٌ	۲۱	طا کو پیش طا ساکن	قنبل، ابن عامر، حفص باقی قراء	قدموں "
۱۵	یومَ یَشْهَدُ یومَ تَشْهَدُ	۲۴ "	یاء مذکر کے ساتھ تاء تانیث کے ساتھ	حمزہ، کسائی باقی قراء	ان پر گواہی دیں "
۱۶	بُیُوت (جہاں بھی ہو) بِیُوت	۲۷، ۲۹ و ۳۶ و ۶۱	با کو پیش با کو زیر	ورش، ابوعمرو، حفص باقی قراء	گھروں "
۱۷	قُیلَ (اشمام) جہاں بھی ہو قِیلَ	۲۸	بالاشمام بلا اشمام	ہشام، کسائی باقی قراء	کہا گیا "

شمارہ کلمات خلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۲۸	وَيَتَّقِهِ	۵۲	قاف کو زیر، ہا کو زیر بلاصلہ	قالون (بلاخلف) ہشام (باخلف)	اور اس سے ڈرے
	وَيَتَّقْهِ		قاف ساکن، ہا کو زیر بلاصلہ	حفص	"
	وَيَتَّقِهْ		قاف کو زیر، ہا ساکن	بصری وشعبہ بلاخلف، خلاد باخلف	"
	وَيَتَّقِهِ		قاف کو زیر، ہا کو زیر مع صلہ	ورش، مکی، ابن ذکوان، خلف، کسائی	"
۲۹	فَإِنْ تَّوَلَّوْا	۵۴	تا مشدد	بزی (بحالت وصل)	پھر اگر تم منہ پھیرو
	فَإِنْ تَوَلَّوْا		بلاتشدید	باقی قراء	"
۳۰	كَمَا اسْتُخْلِفَ	۵۵	بصیغۂ مجہول تا کو پیش لام کو زیر	شعبہ	جیسے خلافت دی گئی اُن سے پہلوں کو
	كَمَا اسْتَخْلَفَ		(معروف) تا اور لام کو زیر	باقی قراء	جیسے اس نے خلافت دی
۳۱	وَلَيُبْدِلَنَّهُمْ		با ساکن، دال مخفف	ابن کثیر، شعبہ	اور وہ اُسے ضرور بدل دے گا
	وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ		با مفتوح، دال مشدد	باقی قراء	"
۳۲	ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ	۵۸	دوسری ثاء کو رفع	نافع، مکی، بصری، شامی، حفص	یہ تمہارے لیے تین اوقاتِ شرم ہیں۔
	ثَلٰثَ عَوْرٰتٍ		دوسری ثاء کو نصب	حمزہ، کسائی، شعبہ	تین شرم کے اوقات میں۔

شمارہ کلمات خلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءات	اصحاب قراءات	ترجمہ
	يُسَبَّحُ يُسَبِّحُ	۴۱	بصیغۂ مجہول، با کو زبر معروف با کو زیر	ابن عامر، شعبہ باقی قراء	اللہ کی تسبیح کی جاتی ہے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں
۲۴	سحابُ ظلمتٍ سحابٌ ظلمتٍ سحابٌ ظلمتٌ	۴۰	با پر پیش بلا تنوین تا پر زیر مع تنوین۔ با پر پیش مع تنوین تا پر زیر مع تنوین با اور تا پر پیش مع تنوین	بزی قنبل باقی قراء	تاریکیوں کے بادل بادل ۔ تاریکیاں بادل ۔ تاریکیاں
۲۵	يُنْزِلُ يُنَزِّلُ	۴۳	باب افعال سے۔ نون ساکن زا کو کسرہ بلا تشدید تفعیل سے۔ نون کو فتحہ زا کو کسرہ مع تشدید	مکی، بصری بقیہ قراء	اتارتا ہے اتارتا ہے (تھوڑا تھوڑا)
۲۶	خٰلِقُ كُلِّ دَابَّةٍ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ	۴۵	خا کے بعد الف، لام کو کسرہ۔ قا کو ضمہ، کل کے لام کو کسرہ۔ خا کو فتحہ بلا الف، لام اور قاف کو فتحہ کل کے لام کو فتحہ	حمزہ، کسائی بقیہ قراء	(اللہ) زمین پر ہر چلنے والے کا (پانی سے) بنانے والا (اللہ نے) زمین پر ہر چلنے والا (پانی سے) بنایا۔
۲۷	سراط صراط صراط	۴۶	سین سے بالاشمام صاد کو قدرے زا کی بو دے کر پڑھنا صاد	قنبل خلف دیگر قراء	راستہ " "

بہت سے فوائد اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) امت کے لئے اس میں بہت نرمی، سہولت اور آسانی ہے کہ ان مختلف طریقوں میں سے جس طریق پر کوئی چاہے قرآن کی تلاوت کرے ۔ اس کی نماز جائز اس کا مقصود حاصل۔ اور اس کے لیے اجر ثابت۔

(۲) اگر کوئی شخص تمام طرق کی قراءت کرے تو اس کا ثواب اس حیثیت سے بہت عظیم و کثیر کہ اس نے ان قراءتوں اور طریقوں کی تحقیق۔ لفظ، لفظ، حرف حرف حتیٰ کہ مدوں کی کثیر مقداروں اور امالوں کے فروق تک کے ضبط و حفظ۔ اور ان سب کی مراعات میں بھرپور محنت صرف کی۔ اور ان سب کی ادائیگی اور تلاوت سے شرف یاب ہوا۔ ظاہر ہے کہ محنت و عمل میں جس قدر زیادتی ہوگی۔ ثواب میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ ان اللہ لایضیع اجر المحسنین (قرآن) بیشک اللہ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ افضل العبادات احمزھا (حدیث) بہترین عبادت وہ ہے جس میں مشقت زیادہ ہو۔

(۳) ان اختلافات کے باعث اہل علم و اجتہاد کے لیے معانی میں فکر و تدبر کی مزید راہیں کھلتی ہیں۔ ہر قراءت کے نظم کی عبارت، دلالت، اشارت اور اقتضا سے احکام و مسائل کے استنباط کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ ہر کلمۂ مختلف یا مختلف کلمات کی توجیہ تعلیل اور ترجیح ظاہر کرنے پر تحقیق و تدقیق نظر کا موقع ملتا ہے۔ اور ان سب میں فکر و اجتہاد سے کام لے کر واقعۃً انہوں نے بے شمار شرعی احکام کا استخراج کیا۔ جس سے امت کو اپنے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مسائل و احکام دستیاب ہوئے۔ بہت سی آسانیاں بھی ملیں۔ اور ان مسائل و احکام پر عمل کر کے وہ اجر و ثواب کی مستحق ہوئی اور ہوتی ہے۔ ان سب کا ثواب اصحابِ اجتہاد و استنباط کو بھی ملتا ہے۔ ان کا ذاتی ثواب، علمی رفعت، امتیازی فضل و شرف، اور دوسرے عمومی فوائد کا حصول مزید برآں۔

واللہ ذوالفضل العظیم۔

شمارۂ کلمات خلاف	کلمات (قرأت)	آیۃ	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۳۳	بُیُوتِ اِمِّہَاتِکُم بیوتِ اِمَّہَاتِکُم بیوتِ اُمَّہَاتِکُم		ہمزہ و میم دونوں کو زیر ہمزہ کو زیر میم کو زبر ہمزہ کو پیش میم کو زبر	حمزہ (بحالت وصل) کسائی (") حمزہ وکسائی بحالت ابتداء باقی قراء بہر دو حالت	اپنی ماؤں کے گھروں " "

پوری سورۂ نور کے اختلافاتِ قراءت ہم نے پیش کر دیئے۔ نقشۂ اختلاف سے ظاہر ہے کہ یہ اختلافات صرف بعض حرکات وحروف یا طریقِ ادا سے متعلق ہیں۔ معانی میں ہرگز کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوتی جس سے کوئی حلال حرام یا کوئی حرام حلال ہو جائے بلکہ آپ غور کریں تو اکثر جگہ یہی واضح ہو گا کہ محض اعراب و ترکیب یا طریقِ ادا کا فرق ہے جن سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بعض مقامات پر اگر کلمات کا فرق ہے تو بھی مقصودِ کلام پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مثلاً مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (روزِ جزا کا بادشاہ) مٰلِكِ يَوْمِ الدين (روزِ جزا کا مالک) مالک اور بادشاہ دونوں خدا کے لیے صحیح، اور دونوں صفات پر اہلِ اسلام کا اعتقاد ہے۔ اُنزل (یکبارگی اترا) نُزِّل (تھوڑا تھوڑا اترا) قرآن کے بارے میں دونوں حق ہیں۔ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف پورا قرآن یکبارگی اترا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تیئیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ علاوہ ازیں انزل اور نزّل ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

فوائدِ اختلاف کوئی سوچ سکتا ہے کہ آخر ان اختلافات میں کیا خوبی اور کیا حکمتیں تھیں کہ منسوخ نہ ہوئے بلکہ باقی رکھے گئے ایسے حضرات کے لئے جواباً اور افادۃً لکھا جاتا ہے کہ ان اختلافات میں بھی

میں یَطَّهَّرْنَ تشدید کے ساتھ ہے پہلی کا معنی وہ پاک ہو جائیں۔ دوسری کا معنی وہ خوب پاک ہو جائیں۔ دوسری قراءت پہلی قراءت کی تفسیر کر دیتی ہے۔ ایک قراءت میں ہے فامضوا الی ذکر اللہ دوسری میں فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔
پہلی کا معنی (جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو) تو خدا کے ذکر کی طرف چل پڑو۔
دوسری کا معنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ پہلی قراءت سے دوسری کی تفسیر ہو گئی کہ مقصود یہ ہے کہ ذرا چستی کے ساتھ چل پڑو۔ دوڑنا مراد نہیں۔
(اتقان ج ۱ ص ۴۸ باضافۂ تشریح و توضیح)

اختلافِ قراءت میں علما نے اور بھی حکمتیں بتائی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند بیان کر دی گئیں۔ ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ۔

(۱) اختلافِ قراءت سے اصل مفہوم و مقصود میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ بلکہ بیشتر مقامات میں تو ترجمہ پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۲) اختلافِ قراءت کوئی عیب و نقص نہیں۔ بلکہ بہت سے فوائد، حکم، مصالح اور بے مثال محاسن پر مشتمل ہے۔

(۳) یہ کسی کی ایجاد و اختراع نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے نازل اور سرکار مہبط وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور قرآن کے دورۂ اخیرہ میں قائم و باقی، اور دورِ رسالت سے اب تک بتواتر منقول ہے۔

جب حقیقت یہ ہے تو اختلافِ قراءت کو خواہ مخواہ ایک زبردست اعتراض بنا کر پیش کرنا آخر کون سی حکمت پر مبنی ہے؟ کیا اس طرح کے بے مغز اعتراضات سے تورات و انجیل کی تحریفات پر کوئی پردہ پڑ سکتا ہے؟ صدیوں کے کھلے ہوئے جرائم، بہرحال جرائم ہی رہیں گے۔ وہ عیوب و قبائح، قرآن پر

لہ ہماری کتب اصول فقہ میں اس کی ایک اور عمدہ توجیہ ہے اُسے وہیں سے معلوم کریں یہاں بخوفِ طوالت ترک کی جاتی ہے۔

④ پھر ان کثیر اختلافات اور ان کی بقا میں حفاظتِ ربانی کا اعجاز بھی نمایاں ہے کہ اس نے اپنی مقدس کتاب کو ان تمام وجوہِ کثیرہ اور قراءاتِ مختلفہ کے ساتھ، اسی عالم رنگ و بو اور اسی دنیائے متغیر میں ہر قسم کی تحریف اور تغیر و تبدل سے محفوظ رکھا۔

⑤ اس میں اس امت مرحومہ کے فضل و شرف اور عند اللہ اس کی عظمت و محبوبیت کا بھی اظہار ہے کہ دیگر امتوں کو ایک ہی طرز و طریق پر کتابیں ملیں۔ اور یہ امت ان طرقِ کثیرہ سے بہرہ ور ہوئی۔

⑥ اگر قراءتوں کے تنوّع پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر قراءت علیحدہ آیت کا حکم رکھتی ہے مثلاً مَلِكِ اور مالكِ دونوں قراءتوں کے اعتبار سے مَلِكِ یوم الدین اور مٰلِكِ یوم الدین۔ گویا دو آیتیں ہیں ایک سے ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کی صفت اور اس کا نام ہے۔ "بادشاہِ روزِ جزا" اور دوسری سے اس کی ایک اور صفت "مالکِ روزِ جزا" معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے اصول فقہ میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کا حکم رکھتی ہیں اس طرح صرف ایک کلمہ میں اختلافِ قراءت کے باعث ہمیں دو یا زیادہ حکم معلوم ہو جاتے ہیں۔ جو الگ الگ بیان ہوتے تو دو یا زیادہ آیتوں کی ضرورت ہوتی اور موجودہ صورت میں صرف کلمات کے اندر اختلافاتِ قراءت کئی آیات کی ضرورت پوری کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر اختلافِ قراءت کے بجائے علیحدہ علیحدہ قراءتیں، الگ الگ آیتوں میں ہوتیں تو بہت زیادہ طول و اطناب ہوتا۔ صرف قراءتوں کے مختلف، اور آیتوں کے متحد رہنے میں کمالِ ایجاز کا ظہور ہے کہ دیکھنے میں تو آیات مختصر ہیں مگر بلحاظ تعددِ قراءت، معانی بہت زیادہ اور ایک آیت کئی آیتوں کے مضامین پر مشتمل ہے اس نوع کا کمالِ ایجاز بھی قرآنِ کریم کا عظیم اعجاز ہے۔ جس کی مثال کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتی۔

⑦ بعض مقامات میں ایک قراءت، دوسری قراءت کے اجمال کی تفصیل و تفسیر کر دیتی ہے۔ مثلاً ایک قراءت میں یَطْهُرْنَ تخفیف کے ساتھ ہے دوسری

جس طرح کثرتِ ائمہ اور ان کی قراءتوں کے جواز کے بارے میں فرمایا گیا۔ یوں ہی ائمہ سبعہ کے رواۃ سے متعلق بھی اقوال ہیں۔ ابو حیان نے کہا۔

هذا ابو عمرو بن العلاء اشتهر عنه سبعة عشر راويا۔ ثم ساق اسماء هم۔ واقتصر فی کتاب ابن مجاهد علی الیزیدی واشتهر عن الیزیدی عشرة انفس فکیف یقتصر علی السوسی والدوری ولیس لهما مزیة علی غیرهما۔ لان الجمیع مشترکون فی الضبط والاتقان والاشتراک فی الاخذ۔ قال ولا اعرف لهذا سببا الا ما قضی من نقص العلم۔

(اتقان ج ۱ ص ۸۲)

(قراء سبعہ میں سے) یہ ابو عمرو بن العلاء ہیں جن سے سترہ رُواۃ (ابو حیان نے ان کے نام بھی گنائے) مشہور ہیں۔ اور کتاب ابن مجاہد میں صرف یزیدی کا نام ہے پھر یزیدی سے دس راوی شہرت یافتہ ہیں تو صرف سوسی و دوری پر اقتصار کیوں ہو گا۔ جبکہ انہیں دوسروں پر کوئی فضیلت نہیں۔ کیونکہ ضبط و اتقان اور شرکت تحصیل میں سب برابر ہیں۔ مجھے اس کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا سوائے اس کے کہ علم کی کمی مقدر ہو چکی ہے۔

یوں ہی امام مکی، ابو العلاء ہمدانی، بغوی و غیرہم ائمہ قراءت کے ارشادات ہیں۔ اس کی صراحت کرنے والے آخری شخص امام تقی الدین سبکی ہیں۔ ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں۔ ہمارے والد سے ایک شخص نے قراءات سبعہ کی اجازت مانگی تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے تمہیں قراءات عشرہ کی اجازت دی۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔

القراءات السبع التی اقتصر علیها الشاطبی، والثلاث التی هی قراءة ابی جعفر ویعقوب وخلف معلومة من الدین

وہ سات قراءتیں جن پر شاطبی نے اقتصار کیا ہے اور وہ تین جو ابو جعفر یعقوب اور خلف کی قراءتیں ہیں۔ یہ سب بالضرورۃ دین سے معلوم ہیں۔ اور ہر وہ

اعتراض کر لینے سے محاسن و کمالات میں تبدیل نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی ان کے خود کردہ جرائم اور قرآن کے ازلی و ابدی محاسن پر کوئی پردہ پڑ سکتا ہے۔ وھو الھادی الی سواء السبیل۔

قراءت سبعہ پر اقتصار کیوں؟

اب یہ ایک سوال رہ جاتا ہے کہ جب ائمہ قراءت بہت تھے، جن میں بعض حضرات ائمہ سبعہ سے زیادہ جلیل القدر اور ان پر فائق ہیں۔ اور بعض حضرات ان کے ہم رتبہ ہیں پھر سات ہی ائمہ کی قراءتوں پر اقتصار کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اور اُن کے رُواۃ واقعۃً بہت تھے، مگر جب حوصلے پست ہو گئے تمام قرا اور ان کے بے شمار تلامذہ و رُواۃ سے اخذ و روایت مشکل و دشوار ٹھہری تو لوگوں نے خط مصحف کے موافق قراءتوں میں سے صرف اُن طرق پر اقتصار کر لیا جن کا حفظ آسان ہو اور جن سے قراءتوں کا انضباط بھی ہو جائے۔ یعنی اس طرح کہ ثابت شدہ قراءتوں میں سے کوئی چھوٹ نہ سکے۔ اس لئے ہر شہر سے ایک امام کو لے لیا۔ اور ان دوسری قراءتوں کی بھی روایتِ قراءت نہ ترک کی۔ جو ان کے علاوہ دیگر ائمہ قراءت کے نزدیک تھیں، جیسے امام یعقوب، امام ابو جعفر، امام شیبہ وغیرہم کی قراءتیں۔ (اتقان ج ۱ ص ۸۳)

ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں۔

لیست ھذہ السبعۃ متعینۃ للجواز حتی لایجوز غیرھا کقراءۃ ابی جعفر و شیبۃ والاعمش ونحوھم فان ھٰؤلاء مثلھم او فوقھم۔
(اتقان ج ۱ ص ۸۲)

ایسا نہیں کہ صرف یہی سات قراءتیں جائز ہیں، اور دوسری قراءتیں نہیں جیسے ابو جعفر، شیبہ، اعمش اور دوسرے ائمہ کی قراءتیں۔ (ان کی قراءتیں کیونکر جائز نہ ہوں گی جبکہ) یہ لوگ بھی ائمہ سبعہ کے ہم رتبہ یا اُن سے بھی فائق ہیں۔

قبول کا معیار تین باتوں کو قرار دیا ہے۔

(۱) وہ قراءت زبانِ عربی کے مطابق ہو۔ خواہ نحو کے کسی بھی طریقہ پر ہو افصح۔ یا فصیح متفق علیہ۔ یا فصیح مختلف فیہ۔ جبکہ وہ قراءت ائمہ کے نزدیک شائع و ذائع اور سندِ صحیح سے ثبوت کے باعث قبول یافتہ ہو۔

(۲) مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک کے موافق ہو۔ اگرچہ موافقت محض احتمالاً ہو۔ جیسے "ملِك" کہ یہ مالك بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ مٰلك الملك کے طور پر۔ اور بعض جگہ تو احتمالاً نہیں بلکہ صراحۃً ہوتی ہے جیسے تعلمون" کہ اسے یعلمون اور تعلمون دونوں پڑھ سکتے ہیں اس لیے کہ اس وقت تک نقطے ایجاد نہ ہوئے تھے۔

(۳) وہ قراءت صحیح سند سے ثابت ہو۔

جب کسی قراءت میں یہ تینوں ارکان پالیے جائیں تو وہ قراءت مقبول، صحیح اور ناقابلِ انکار ہے۔ خواہ ائمہ سبعہ و عشرہ سے مروی ہو یا دوسرے ائمہ مقبولین سے۔ اور اگر ان تین ارکان میں سے کوئی رکن فوت ہو تو وہ قراءت ضعیف، شاذ یا باطل کہی جائے گی۔ اگرچہ ائمہ سبعہ یا ان سے بھی بزرگ تر ائمہ کی طرف منسوب ہو۔ (اتقان ج ۱ ص ۷۷، ملخصًا)

اس سے واضح ہوا کہ (۱) ہر ایسی قراءت جس کی روایت ائمہ سبعہ و عشرہ کے علاوہ سے ہو ضعیف و شاذ نہیں۔

(۲) اور ہر وہ قراءت جو ائمہ سبعہ کی طرف منسوب ہو صحیح و متواتر نہیں معیارِ قبول پر پوری اترنا شرط ہے۔ ہاں ائمہ سبعہ کی اکثر قراءتیں متواتر ہیں۔ بعض مشہور اور چند شاذ بھی ہیں۔ علمائے قراءت نے ان سب کی تحقیق و تنقیح کر دی ہے۔

اقسام قراءت

اسی لیے ائمہ نے قراءتوں کی پانچ قسمیں بتائی ہیں۔

بالضرورۃ وکل حرف انفرد بہ واحد من العشرۃ معلوم من الدین بالضرورۃ انہ منزل علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لایکابر فی شئ من ذلک الا جاھل۔

قراءت جو ائمۂ عشرہ میں سے کسی ایک کے پاس ہے وہ بھی ضروریات دین سے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل شدہ ہے۔ ان میں سے کسی بات پر بھی کوئی جاہل ہی مکابرہ کرے گا۔

وہی علامہ سبکی کے فرزند منع الموانع میں فرماتے ہیں کہ ___ ہم نے جمع الجوامع میں یہ بتایا کہ ساتوں قراءتیں متواتر ہیں۔ پھر شاذ اور صحیح کے بارے میں کہا کہ یہ عشرہ کے علاوہ ہیں۔ ہم نے یہ نہ کہا کہ عشرہ متواتر ہیں۔ اس لیے کہ سبعہ کے تواتر میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا ہم نے انہیں پہلے ذکر کیا۔ پھر مقام خلاف کو اسی پر منعطف کیا۔ مگر سبعہ کے علاوہ بقیہ تین قراءتوں کے نامتواتر ہونے کا قول انتہائی گیا گزرا ہے کسی ایسے شخص سے وہ منقول نہیں جس کا قول دین میں قابلِ اعتبار ہو۔ پھر یہ تینوں قراءتیں رسم مصحف کے مخالف بھی تو نہیں۔ (اتقان ج ۱ ص ۸۴)

قراب نے شافی میں فرمایا۔

التمسک بقراءۃ سبعۃ من الائمۃ دون غیرھم لیس فیہ اثر ولاسنۃ، وانما ھو من جمع بعض المتاخرین، فانتشر اوھم انہ لایجوز الزیادۃ علی ذلک، ولم یقل بہ احد۔

(اتقان ج ۱ ص ۸۴)

صرف سات ائمہ کی قراءتیں لینا دیگر ائمہ کی نہیں ___ اس بارے میں کوئی اثر ہے نہ سنت۔ یہ صرف بعض متاخرین کی تالیف ہے جس سے یہ انتشار وہم پیدا ہوا کہ اس پر زیادتی جائز نہیں حالاں کہ اس کا قائل کوئی نہیں۔

قراءتوں کا معیار قبول :___

علمائے اسلام نے کسی قراءت کے

شیعہ اور قرآن

مخالفینِ اسلام قرآن پر جہاں اور بہت سے بے جا اعتراضات کرتے ہیں وہیں اختلافِ شیعہ کو بھی حجت بنا کر پیش کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان ہی کی بے باکیوں، گستاخیوں اور الزام تراشیوں نے منکرینِ اسلام کو قرآن کے خلاف زہر افشانیوں کا حوصلہ دیا ہے ـــ اس لیے ایک ذمہ دار اور منصف مزاج شخص کی طرح صبر کے ساتھ" ان کی باتیں" بھی ذکر کر کے ان پر پوری تنقید ضروری ہے.

ا شیعوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر اس کام کی تحقیر کرتے ہیں جسے خلفاے ثلثہ صدیق و فاروق و ذوالنورین یا اُن صحابہ کرام نے انجام دیا ہو جن سے روافض کو دشمنی ہے ـــ گزشتہ اوراق میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ صدیقِ اکبر کی قرآنی خدمت خدمت پر یہ "بدعت" کا الزام عائد کرتے ہیں.

اسی طرح یہ قرآن کو تحریف شدہ بھی کہتے ہیں. کلینی نے (جسے شیعوں میں وہ درجہ دیا جاتا ہے جو اہلسنت میں امام بخاری کو حاصل ہے) ابوعبداللہ سے بروایت ہشام بن سالم نقل کیا ہے کہ جو قرآن حضرت جبرئیل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لائے اس میں سترہ ہزار آیتیں ہیں. جبکہ اہل سنت کے نزدیک قول مشہور یہ ہے کہ قرآن میں کل چھ ہزار چھ سو سولہ آیات ہیں.

ان ہی سے محمد بن نصر کی روایت نقل کی ہے کہ سورۂ لم یکن میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام مع ولدیت تھے. محمد بن جہم ہلالی وغیرہ کے واسطے سے ابوعبداللہ سے یہ روایت کی ہے کہ" ان امۃ ھی اربی من امۃ" کلام اللہ نہیں بلکہ اس کی جگہ" ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم"، نازل ہوا ہے

(۱) متواتر — جسے ہر دور میں ایسی جماعت اور ایسے لوگوں نے روایت کیا ہو جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ٹھہرے۔ اکثر قراءتیں متواتر ہی ہیں۔

(۲) مشہور — جس کی سند صحیح، عربی زبان اور رسم مصحف کے موافق، قرا کے نزدیک شہرت یافتہ ہو۔ مگر درجۂ تواتر کو نہ پہنچتی ہو — اس کی مثال وہ قراءتیں ہیں، جن کے ائمہ سبعہ سے منقول ہونے میں طُرق مختلف ہوں۔ کسی راوی نے ذکر کیا ہو کسی نے نہیں۔ فُروشِ حروف میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔

اس بارے میں مشہور تصانیف یہ ہیں۔ تیسیر للدانی۔ قصیدۂ شاطبی اوعیۃ النشر فی القراءات العشر لابن الجزری۔ تقریب النشر (لہٗ)

(۳) آحاد — جس کی سند صحیح ہو۔ مگر رسم مصحف یا زبان عربی کے مخالف ہو یا اُسے مشہور کی شہرت نصیب نہ ہو — ایسی قراءت قابلِ تلاوت نہیں۔

(۴) شاذ — جس کی سند صحیح نہ ہو۔

(۵) موضوع — جو بالکل بے اصل، گڑھی ہوئی ہو۔

(۶) مُدرَج — علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے مراد وہ عبارت ہے جو درمیانِ تلاوت بطور تفسیر آگئی ہو۔

(اتقان ج ۱ ص ۹۷ ملخصاً)

(۲) روافض قرآن کو اپنے ادلۂ اربعہ (کتاب، خبر، اجماع، عقل) میں سے ایک مانتے ہیں، مگر اس قرآن کو تحریف شدہ بتاتے ہیں. اور اس کے ثبوت میں موضوع (گڑھی ہوئی) روایات پیش کرتے ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر ہو گیا. پھر اس کے ناقابل اعتبار ہونے کی دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس قرآن کے ناقلین بھی تورات وانجیل کے ناقلین کی طرح تھے کیونکہ ان میں بعض تو منافق تھے، جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض دین کے معاملہ میں مداہن نرم اور چاپلوس تھے. جیسے عام صحابہ جنہوں نے اکابر کی پیروی کی. والعیاذ باللہ تعالیٰ.

(۳) حد یہ ہے کہ خود بھی قرآن کا کوئی صحیح نسخہ پیش نہیں کرتے. بس یہ کہہ کر اپنے عوام کو تسلی دیتے رہتے ہیں کہ صحیح قرآن" امام غائب" کے ساتھ آئے گا. گویا اس وقت پوری دنیا میں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے سارے قرآن غلط اور ناقابل عمل ہیں.

تنقید اب سوال یہ ہے کہ اگر صحابۂ کرام کا جمع کردہ مصحف غلط اور تحریف شدہ تھا تو شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے زمانۂ خلافت میں صحیح قرآن کیوں نہیں پیش کیا. انہوں نے تو اسی قرآن کو صحیح مانا. اسی کی تلاوت کی اور اسی پر عمل کیا. ان کے دورِ خلافت میں پوری دنیائے اسلام کے اندر یہی مصحف پڑھا، لکھا، سنا، سنایا جاتا. اسی پر اعتماد اور اسی پہ عمل ہوتا. حضرت شیر خدا نے کبھی بھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عثمان ذوالنورین دونوں حضرات کی برملا تائید کی. ان سے مروی حدیث گذر چکی فرماتے ہیں.

اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابوبکر. رحمۃ اللہ علی ابی بکر هو اول من جمع کتاب اللہ (رواہ ابن ابی داؤد وغیرہ بسند حسن عن عبد	مصاحف میں سب سے بڑا اجر حضرت ابوبکر کا ہے. ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو وہ کتاب اللہ کے سب سے پہلے جامع ہیں.

ابن شہر آشوب مازندرانی نے اپنی تصنیف کتاب المثالب میں لکھا ہے کہ "سورۃ الولایۃ" پوری کی پوری قرآن سے حذف کر دی گئی اسی طرح سورۂ احزاب سے جامعین قرآن نے اہل بیت کے فضائل ساقط کر دیے ورنہ یہ سورۂ انعام کے برابر تھی ـــــ یوں ہی لا تحزن ان اللہ معنا (ابوبکر غم نہ کرو، بیشک خدا ہمارے ساتھ ہے) سے پہلے لفظ ویلک (تمہیں خرابی ہو) تھا وہ ساقط کر دیا گیا۔ وقفوھم انھم مسئولون کے بعد عن ولایۃ علی تھا۔ کفی اللہ المؤمنین القتال کے بعد بعلی بن ابی طالب تھا وسیعلم الذین ظلموا کے بعد آل محمد تھا۔ سب حذف کر دیا گیا۔ سورۂ الم نشرح میں وجعلنا علیا صھرلک (اور ہم نے علی کو تمہارا داماد کیا) تھا۔ جس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضرت علی کے داماد رسول ہونے کی تخصیص ہے۔ جس سے حضرت عثمان کے داماد رسول ہونے کی نفی ہوتی ہے (تحفۂ اثنا عشریہ مختلف مقامات)

مختصر تحفۂ اثنا عشریہ (عربی) کے حاشیہ میں ہے ـــ حسین بن محمد نوری طبرسی نامی ایک طاغوتِ روافض نے اس بارے میں "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" لکھی ہے جو چار سو بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں روافض کے بڑے بڑے طاغوتوں سے تحریفِ قرآن کے دعوے پر سیکڑوں عبارتیں اور نقلیں درج ہیں۔ طبرسی ۱۲۹۲ھ میں "مشہد نجف علی" کے اندر اس کتاب کے گناہ تالیف کا مرتکب ہوا۔ ۱۲۹۸ھ میں یہ کتاب ایران سے شائع ہوئی۔ دار الفتح کی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ہے ـــ منافقینِ روافض تقیۃً اس کتاب سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس اظہارِ براءت اور انکارِ تصنیف سے فائدہ کیا؟ جب کہ اپنی دوسری کتابوں میں اس موضوع پر عبارتوں اور نقلوں کے بوجھ ہزاروں سال سے لادے پھر رہے ہیں ـ وہی سب اس کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں (ص ۳۰)

کر دی گئی ہوں، اور کچھ کا کچھ بنا دیا گیا ہو۔ ؟ جب کہ دین کے معاملے میں ان کے تصلّب اور حق گوئی کی جرأتِ بے باک کا بے مثال نمونہ اور شاندار ریکارڈ یہ تھا کہ فاروق اعظم جیسے صاحبِ دبدبہ وحشمت خلیفہ کو بر سرِ منبر معمولی آدمی بھی ٹوک دیا کرتا۔ پھر ان خلفائے برحق کا بھی عدیم المثال کردار یہ رہا ہے کہ قبولِ اصلاح سے انہیں کوئی ملال نہ ہوتا، بلکہ مسرت وخوشی ہوتی۔ اور اصلاح و تنقید سن کر پکار اٹھتے الحمد للّٰہ الذی جعل فی المسلمین من یسدّد اعوجاج عمر۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگوں کو کر دیا جو عمر کی کجی، درست کرتے رہیں۔

کیا یہ کسی سلیم الحواس شخص کے قیاس میں آنے والی بات ہے کہ معمولی لغزش و خطا پر تو صحابہ کی وہ شاندار جسارت اور تحریفِ قرآن جیسے جرم عظیم پر یہ بزدلی و مداہنت کی جنگ وحرب اور مقابلہ ومقاتلہ تو کجا چون وچرا بھی نہ کریں، کہیں سے کوئی صدائے احتجاج اور آوازۂ اصلاح وتردید بھی بلند نہ ہو؟ والعیاذ باللّٰہ۔

(۴) اسلافِ اسلام کے بارے میں منکرینِ اسلام نے بھی روافض جیسی بے اعتمادی کا اظہار نہ کیا۔ ایسے بے شمار غیر مسلم ہیں جو "قرآن" کو سچی کتاب، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کو قابلِ تقلید اور معیارِ صحت پر کامل مانتے ہیں۔ اور برملا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ صرف مسلمانوں کی خصوصیت ہے کہ ان کے دین کی اساسی کتابیں نہایت صحیح ومستحکم ہیں۔ ان کا قرآن بتواتر ہر زمانے میں ایسے عادل ومتقی حضرات کی جماعتِ کثیرہ سے نقل ہوا جن کا جھوٹ پر اتفاق محال ہے۔ احادیث کی تنقیح کے لیے انہوں نے پانچ لاکھ آدمیوں کے حالات جمع کر رکھے ہیں اور ہر راوی کا حسن و قبح پوری صفائی سے بیان کر دیا ہے۔ جس کی روشنی میں ہر حدیث کی صحت، حسن، ضعف اور وضع کو بآسانی جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ منکرینِ اسلام اسی قرآن کو حق کہتے ہیں جسے روافض "بیاضِ عثمانی" بتاتے ہیں۔ اور یہ ان ہی صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث و

خیر عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔)

لا تقولوا فی عثمان الا خیرا فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملأ منا۔
(رواہ ابن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلۃ عن علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم)

اور فرماتے ہیں۔
حضرت عثمان کے بارے میں خیر کے سوا نہ بولو۔ انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کچھ بھی کیا، ہماری ایک جماعت کے اتفاق اور مشورے سے کیا۔

---

① اب یہ "شیعانِ علی" ہی بتائیں کہ جب حضرت شیرِ خدا نے بھی کوئی دوسرا قرآن نہ پیش کیا۔ بلکہ مصحفِ عثمانی ہی کو صحیح و درست بتایا تو یہ (لوگ)، ان کو کس "لقب" سے یاد کریں گے۔

② روافض کا یہ عقیدہ خود اہل بیت کرام کے خلاف ہے۔ روایاتِ شیعہ ہی سے ثابت ہے کہ تمام ائمۂ اہل بیت اسی قرآن کی قراءت فرماتے۔ اسی سے استدلال، اسی سے استشہاد، اسی کی تفسیر اور اسی پر عمل کرتے۔ امام حسن عسکری کی طرف منسوب تفسیر اسی قرآن کی ہے۔ شیعہ اسے اپنے بچوں، خادموں، گھر والوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور نماز میں اسی کی قراءت کرتے، کراتے ہیں اسی لیے تو ان کے شیخ "ابن بابویہ" نے اپنی کتاب عقائد میں اس عقیدۂ تحریف کا انکار کر دیا، اور اس سے بیزاری ظاہر کی۔

③ ذرا غور کریں کہ اس قرآن کی تحریف کیونکر ہو سکے گی۔ جسے ابتدائے نزول سے زمانۂ تدوین تک بچے، بوڑھے، جوان سب پڑھتے، پڑھاتے، سیکھتے، سکھاتے حفظ کرتے اور حفظ کراتے رہے ہوں، ہزارہا ہزار حفاظ بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ ان میں اہل بیت کرام بھی ہیں۔ شیعانِ علی بھی اور محبانِ اہل بیت بھی۔ کیا سب کے سب اپنی بصارت و بصیرت اور اسلامی ضمیر کو کچل کر قرآن کے معاملے میں اتنے بزدل، نرم اور سہل بن جائیں گے کہ حفظ اور علم ہوتے ہوئے بھی تحریف شدہ قرآن قبول کر لیں گے؟ ایک ایسا قرآن جس کی ہزاروں غیر منسوخ آیات حذف

أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ۔ (مائدہ پ ۶ ع ۱۴)

کچھ اترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا۔

یہ بتائیں کہ رسولِ اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے کارِ تبلیغ کی تکمیل فرمائی یا نہیں؟ اگران کی تبلیغ مکمل نہیں ہوئی تو یقیناً دینِ اسلام ابھی ناقص ہے، روافض بھی اپنے کو دینِ اسلام کا تبع ضرور بتاتے ہیں تو یہ بھی ایک دین ناقص ہی کے تبع ٹھہرے اور اگر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ پوری ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم امت تک پہنچ چکا۔ اس وقت کی امت کو بھی اور موجودہ امت کو بھی۔ ورنہ وہ تبلیغِ قرآن کیسی جو صرف چند آدمیوں، یا چند برسوں تک محدود ہو۔ بتائیں کہ اس تبلیغ سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ جبکہ قرآن آج تک اپنی اصلی شکل میں دنیا کے سامنے نہ آیا۔ اور پوری دنیا گمراہی وجہلِ مرکب میں مبتلا ایک دوسری کتاب کو قرآن سمجھے عمل پیرا ہے۔

(۷) درحقیقت تحریفِ قرآن کا عقیدہ صحابۂ کرام سے عناد کے نتیجے میں اختیار کیا گیا۔ شیعوں کا مطمحِ نظریہ تھا کہ خلفائے ثلثہ (صدیق، فاروق و ذوالنورین) اور صحابۂ کرام کے کارناموں کا اعتراف نہ کیا جائے اور ان پر دیگر الزامات کی طرح تحریفِ قرآن کے بھی پے در پے الزامات عائد کر کے ان کی عظیم اور قد آور شخصیتوں کو مجروح کر دیا جائے۔ اسی طرح قرآن سے ثابت شدہ فضائلِ صحابہ اور اپنے مذہب کے خلاف تمام باتوں کا انکار کر دیا جائے — مگر ہوا یہ کہ ان کی عظیم شخصیتوں پر تو کوئی حرف نہ آیا۔ ان کی اپنی ہی خیر نہ رہی۔ منکرین اسلام تک نے ان بزرگوں پر اعتماد، اور ان کے ساتھ اپنے حسنِ عقیدت کا اظہار کیا۔ اور منکرینِ قرآن (روافض) پر پوری دنیا میں لعنت ہو رہی ہے۔

کچھ عقلمند شیعی علما کو اس صورتِ حال کا احساس ہو گیا اس لیے انہوں نے عقیدۂ تحریف کا انکار کر دیا اور اس سے اپنی براءت ظاہر کی۔ ابن بابویہ

کتب رجال کو صحیح و مستند مانتے ہیں، جنہیں روافض غیر مستند اور بالکل ساقط الاعتبار گردانتے ہیں۔

افسوس کہ منکرینِ اسلام تو ان ذخائرِ اسلامی کے محاسن کا اعلان کریں، صحابہ و راویانِ حدیث کو معیارِ صحت و عدالت مانیں مگر یہ مدعیانِ اسلام — ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک قریباً چودہ سو برس کی پوری امت اسلامیہ کو منافق، مداہن اور خارج از اسلام قرار دیں — یہ اپنے ہی باطن کا منصفانہ جائزہ لیتے تو سمجھ میں آجاتا کہ خلا اور کہیں نہیں بلکہ یہیں ہے۔

⑤ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ۔ (حم سجدہ پ ۲۴ ع ۱۹)

باطل کو اس کی طرف راہ نہیں۔ اتارا ہوا ہے حکمت والے، ستودہ صفات کا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (حجر پ ۱۴ ع ۱)

بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن، اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

وہ قرآن جس کا محافظ و نگہبان رب العلمین ہو بھلا اس میں کسی تحریف و تبدیل کو راہ مل سکے گی؟ وہ قرآن جو قیامت تک کی پوری دنیا کے لیے ذریعۂ رشد و ہدایت بن کر نازل ہوا اگر وہی محرّف اور ناقابل اعتبار ہو جائے تو معاذ اللہ مقصودِ تنزیل ہی فوت ہو جائے یا للعجب! اگر قرآن کو زمانۂ امام غائب (ڈیڑھ دو ہزار صدیوں) تک ناقابل ہدایت و عمل ہی رہنا ہوتا تو پھر نازل ہی کیوں ہوتا! یا اگر قرآن کی حفاظت و تبلیغ امام غائب ہی کا کام ہوتا تو وہ بھی قرآن کے ساتھ ہی تشریف لاتے تاکہ پوری امت اسلامیہ اپنے منبعِ ہدایت سے ہمکنار ہوتی اور ضلالت و گمرہی سے مامون رہتی۔

⑥ رب العلمین ارشاد فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا

اے رسول! پہونچا دو۔ جو

وحمايته الغاية. حتى عرفوا
كل شئ اختلف فيه من
اعرابه وقراءته وحروفه
وآياته فكيف يجوز ان يكون
مغيرا او منقوصا مع العناية
الصادقة والضبط الشديد
قال ايضا ان العلم بتفسير
القرآن وابعاضه فى صحة
نقله كالعلم بجملته وجرى
ذلك مجرى ما علم ضرورة من
الكتب المصنفة ككتاب سيبويه
والمزنى. فان اهل العناية بهذا
الشان يعلمون من تفصيلها
ما يعلمونه من جملتها حتى لو
أن مُدخلا ادخل فى كتاب
سيبويه بابا فى النحو ليس من
الكتاب لعرف وعلم ومُيّز أنه
ملحق، وأنه ليس من اصل الكتاب
وكذا القول فى كتاب المزنى
ومعلوم ان العناية بنقل
القرآن وضبطه اضبط من
العناية بضبط كتاب
سيبويه ودواوين الشعراء

علوم شرعیہ واحکام دینیہ کا ماخذ ہے
مسلمانوں کے علما اس کی حفاظت و
صیانت کی آخری حد کو پہنچے، یہاں
تک کہ اس کے اعراب، قراءت، حروف
آیات سب کے اختلافات بھی دریافت
کیے، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اتنے پرخلوص
اہتمام اور ضبط شدید کے باوجود قرآن
میں کوئی تبدیلی یا کمی واقع ہو۔ مرتضی نے
یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کی تفسیر اور اس
کے اجزا کے نقل کی صحت بھی اسی طرح
یقینی ہے جس طرح مجموعے کی صحت
یقینی ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے
تصنیف شدہ کتابوں کے بارے میں
ضروری طور پر معلوم ہے، مثلاً سیبویہ اور
مزنی کی کتاب۔ اس فن سے شغف رکھنے
والے ان کی تفصیلات بھی اسی طرح
جانتے ہیں جیسے مجموعے کے متعلق جانتے
ہیں۔ یہاں تک کہ سیبویہ کی کتاب میں اگر
کوئی شخص نحو کا کوئی ایسا باب داخل
کر دے جو دراصل کتاب کا نہ ہو تو وہ
(داخل شدہ باب) پہچان میں آجائے گا
اور معلوم و ممتاز ہو جائے گا کہ یہ باب
الحاقی ہے۔ اصل کتاب کا نہیں۔ یہی گفتگو

کے بارے میں گزر چکا کہ یہ شیعوں کے عقیدۂ تحریف کا منکر تھا۔ ابو علی فضل طبرسی شیعی نے اپنی کتاب "مجمع البیان فی تفسیر القرآن" میں اس عقیدے کا بھرپور رد کیا ہے جو اِن کی خبر گیری کے لیے کافی ہے۔ لکھا ہے۔

اما الزیادۃ فیہ فمجمع علی بطلانہا، واما النقصان منہ فقد روی جماعۃ من اصحابنا، وقوم من حشویۃ العامۃ، والصحیح خلافہ وھو الذی نصرہ المرتضیٰ واستوفی الکلام فیہ غایۃ الاستیفاء فی جواب مسائل الطرابلسیات وذکر فی مواضع أن العلم بصحۃ نقل القرآن کالعلم بالبلدان والحوادث الکبار والوقائع العظام والکتب المشھورۃ واشعار العرب المسطورۃ۔ فان العنایۃ اشتدت، والدواعی توفرت علی نقلہ وحراستہ وبلغت الی حد لم تبلغہ فیما ذکرناہ لان القرآن معجزۃ النبوۃ، وماخذ العلوم الشرعیۃ، والاحکام الدینیۃ، وعلماء المسلمین قد بلغوا فی حفظہ

قرآن میں کچھ اضافہ ہونے کا دعویٰ اجماعی طور پر اور سب کے نزدیک باطل ہے۔ رہا حذف و کمی کا دعویٰ تو یہ ہمارے اصحاب شیعہ اور حشویہ عامہ کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ قرآن میں حذف و کمی بھی نہ ہوئی۔ مرتضیٰ (مشہور و مستند شیعی عالم) نے اسی کی تائید کی ہے۔ اور مسائل طرابلسیات کے جواب میں اس پر بھرپور کلام کیا ہے۔ اور متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے کہ نقلِ قرآن کی صحت اسی طرح یقینی ہے جیسے معروف شہروں (مکہ، مدینہ، بغداد، لندن وغیرہا) کا ثبوت بڑے بڑے واقعات و حوادث (طوفانِ نوح وغیرہ) کا ظہور، مشہور کتابوں اور عرب کے تحریر شدہ شعروں کا وجود یقینی ہے۔ قرآن کے ساتھ اعتنا بہت زیادہ، اس کی نقل و حفاظت کے اسباب فراواں، اور اس حد کو پہنچے ہوئے تھے جہاں تک مذکورہ چیزوں میں نہ تھے اس لیے کہ قرآن نبوت کا معجزہ، اور

کچھ ایسے کلمات کا ذکر ہے جو قرآن میں نہیں. پہلے کسی نے انہیں جزو قرآن بنایا تھا مگر شاذ، خلاف اجماع، یا قرآن کے دورۂ اخیرہ میں منسوخ ہونے کے باعث وہ قرآن نہ ٹھہرے. یا ان کا ثبوت آحاد سے اور غیر قطعی ہے. اس لیے ان کی کتابت و قراءت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا. بہرحال حشویہ ان کلمات کی قرآنیت اور قرآن میں حذف و کمی کے قائل نہیں)

(۳) قرآن میں حذف و کمی کا دعویٰ بھی باطل ہے۔

(۴) نقلِ قرآن کی صحت دیگر متواتراتِ عالم کی طرح بالکل یقینی ہے۔

(۵) قرآن کی حفاظت اور ضبط و صحت کا حد درجہ اہتمام کیا گیا ہے۔ جو اس کی صحت اور حذف و اضافہ سے پاک ہونے کی کافی دلیل ہے۔

(۶) قرآن میں کوئی حذف و اضافہ یا تبدیلی نہیں، یہی صحیح ہے۔ جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

وذكران من خالف فى ذلك من الامامية والحشوية لايعتد بخلافهم فان الخلاف فى ذلك مضاف الى قوم من اصحاب الحديث نقلوا اخبارا ضعيفة ظنوا صحتها لايرجع بمثلها عن المعلوم المقطوع على صحته۔

(مجمع البیان فی تفسیر القرآن

از۔ ابوعلی فضل بن حسن بن فضل طبرسی مشہدی معروف بہ طبرسی کبیر۔/ ۵۴۵ھ

الفن الخامس فی اشیاء من علوم القرآن ملخصا۔ ج ا ص ۵۔ مطبوعہ کارخانۂ کربلائی محمد قلی و کربلائی محمد حسن تہران، ایران)

— — — — — — —

— — — — — — —

— — — — — — —

کتاب المزنی کے متعلق بھی ہوگی جب ان سب کا یہ حال ہے تو قرآن کے نقل و ضبط کا اہتمام تو سیبویہ کی کتاب اور شعراء کے دواوین (شعری مجموعوں) کے ضبط و حفظ سے کہیں زیادہ ہے۔ مرتضیٰ نے یہ بھی ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کی جمع و تالیف اسی طرح تھی جیسے اب ہے۔

یہ بھی بتایا کہ امامیہ اور حشویہ کے جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس اختلاف کا اصل تعلق چند راویان حدیث سے ہے جنہوں نے ضعیف حدیثیں، صحیح گمان کر کے نقل کر دیں۔ اس طرح کی چیزوں کے باعث یقینی اور قطعی الصحۃ امر (قرآن کا ہر نقص و اضافہ سے محفوظ ہونا) سے رجوع نہیں کیا جا سکتا۔

اس حوالے سے چند امور معلوم ہوئے۔

① قرآن میں کسی اضافہ کا دعویٰ شیعہ و اہلسنّت سب کے نزدیک (بالاجماع) باطل ہے۔

② شیعوں کے فرقۂ امامیہ کا مذہب ہے کہ قرآن میں حذف و کمی ہوئی ہے۔

(حشویہ۔ ظاہر نصوص پر عمل کرنے والے محدثین) کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ ان کا تعلق صرف ان روایات کی نقل سے ہے جن میں

(۱۹) جامع ترمذی۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ/۲۷۹ھ مطبع مجتبائی دہلی۔

(۲۰) سنن ابوداؤد۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی۔ ولادت ۲۰۲ھ/ وفات ۲۷۹ھ
المطبعۃ التازیہ مصر ۱۳۴۸ھ۔

(۲۱) سنن نسائی (المجتبیٰ) ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی ۲۱۵ھ/۳۰۳ھ مجتبائی دہلی ۱۳۳۵ھ۔

(۲۲) سنن ابن ماجہ۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی ۲۰۹ھ/۲۷۳ھ مطبع نظامی دہلی ۱۳۴۲ھ۔

(۲۳) مشکل الآثار۔ امام طحاوی ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی مصری حنفی ۲۳۹ھ/۳۲۱ھ
دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد۔ طبع اول ۱۳۳۳ھ۔

(۲۴) المستدرک علی الصحیحین۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری ۳۲۱ھ/۴۰۵ھ
دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۴۱ھ

(۲۵) الترغیب والترہیب۔ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری ۵۸۱ھ/۶۵۶ھ
مکتبۃ الجمہوریۃ العربیۃ مصر ۱۳۹۰ھ۔

(۲۶) مشکوٰۃ المصابیح۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی۔ تالیف ۷۳۰ھ اصح المطابع دہلی

(۲۷) کنز العمال وسنن الاقوال والافعال۔ (ترتیب ابوابی لکتب جلال الدین السیوطی۔
الجامع الصغیر وزوائدہ) علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری ۹۷۵ھ
دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۱۲ھ۔

(۲۸) المنہاج شرح مسلم۔ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی ۶۳۱ھ/۶۷۶ھ اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ۔

(۲۹) فتح الباری شرح بخاری۔ ابوالفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانی ۷۷۳ھ/۸۵۲ھ
المطبعۃ الکبری المیریہ۔ بولاق، مصر۔ طبع اول ۱۳۰۱ھ۔

(۳۰) عمدۃ القاری شرح بخاری۔ بدرالدین محمود بن احمد عینی ۷۶۲/۸۵۵ھ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر۔

(۳۱) ارشاد الساری شرح بخاری۔ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی ۹۲۳ھ مطبع نولکشور کانپور ۱۲۸۵ھ

(۳۲) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی ۱۰۱۴ھ اصح المطابع بمبئی۔

(۳۳) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸ھ/۱۰۵۲ھ مطبع تیجکمار لکھنؤ طبع نہم سنہ ۱۹۶۳ء

(۳۴) مدارج النبوۃ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸ھ/۱۰۵۲ھ مطبع نولکشور لکھنؤ طبع سوم ۱۹۱۴ء۔

مآخذ

1. قرآن کریم
2. کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ۱۳۳۰ھ امام احمد رضا قادری بریلوی ولادت ۱۲۷۲ھ وفات ۱۳۴۰ھ
3. جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری ۲۲۴ھ/۳۱۰ھ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۳۱ھ
4. مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی ۵۴۴ھ/۶۰۶ھ المطبعۃ البہیہ مصر طبع اول ۱۳۵۳ھ
5. لباب التاویل فی معانی التنزیل۔ علاء الدین علی بن محمد بغدادی معروف بہ خازن ۶۶۸ھ/۷۴۱ھ مطبعۃ الاستقامہ قاہرہ۔ ۱۳۷۴ھ۔
6. مدارک التنزیل وحقائق التاویل۔ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی۔ ۷۱۰ھ (برحاشیہ خازن)
7. الاکلیل علی مدارک التنزیل۔ مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی ۱۳۳۳ھ۔ اکمل المطابع رشڑا بلیا یوپی ۱۳۳۰ھ۔
8. الدر المنثور فی التفسیر بالماثور جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی ۸۴۹ھ/۹۱۱ھ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۴ھ
9. روح البیان۔ علامہ اسمٰعیل حقی ۱۱۳۷ھ۔ المطبعۃ العثمانیہ۔ استنبول، ترکی ۱۹۲۶ء۔
10. رسالہ تفسیر لقد جاءکم۔ ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی۔ ۱۰۱۴ھ مطبوعہ مع اکلیل۔
11. خزائن العرفان فی تفسیر القرآن۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی ۱۳۶۷ھ۔
12. تفسیر نعیمی اول۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی ۱۳۲۴ھ/۱۳۹۱ھ مکتبۃ الحبیب الہ آباد۔
13. مجمع البیان فی تفسیر القرآن۔ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی شیعی ۵۴۵ھ۔ دارالخلافہ طہران۔
14. الاتقان فی علوم القرآن۔ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی۔ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۷ھ۔
15. تیسیر الطبع فی اجراء السبع۔ مولانا قاری محمد حسین اشرفی مالیگانوی۔ رحیمی پریس بمبئی ۱۳۹۱ھ۔
16. مسند امام احمد بن حنبل شیبانی۔ ۱۶۴ھ/۲۴۱ھ۔ المطبعۃ الحیدریہ بمبئی ۱۳۰۸ھ۔
17. صحیح بخاری۔ ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری ۱۹۴ھ/۲۵۶ھ اصح المطابع دہلی۔
18. صحیح مسلم۔ ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری ۲۰۴ھ/۲۶۱ھ۔ اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ۔

مفتی محمد اکمل مدنی کے اصلاحِ معاشرہ کے لیے تحریر کیے گئے

8 رسائل کا مجموعہ بنام

اصلاحی رسائل

مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی

ناشر: مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور

(۳۵) شرح شفاء ملا علی قاری ہروی ۱۰۱۴ھ مطبعۂ عثمانیہ استنبول ترکی ۱۳۱۹ھ۔

(۳۶) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ معروف بہ ابن عبد البر قرطبی ۳۶۸ھ/۴۶۳ھ دائرۃ المعارف حیدرآباد طبع دوم ۱۳۳۶ھ۔

(۳۷) الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ ابو الفضل احمد بن علی شہیر بابن حجر عسقلانی ۷۷۳/۸۵۲ھ مطبع سعادت مصر۔ طبع اول ۱۳۲۸ھ۔

(۳۸) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ ابن اثیر علی بن محمد جزری ۵۵۵ھ/۶۳۰ھ الشعب قاہرہ ۱۳۹۰ھ

(۳۹) اکمال فی اسماء الرجال۔ صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی تالیف ۷۴۰ھ (مطبوعہ مع مشکوٰۃ)

(۴۰) مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ فی موضوعات العلوم احمد بن مصطفےٰ طاش کبری زادہ ۹۶۲ھ دار الکتب الحدیثیہ قاہرہ ۱۹۶۸ء مطبعۃ الاستقلال قاہرہ۔

(۴۱) الدر المختار فی شرح تنویر الابصار علاء الدین محمد بن علی حصکفی ۱۰۲۵ھ/۱۰۸۸ھ نولکشور لاہور ۱۳۰۵ھ

(۴۲) العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ج ۲۔ امام احمد رضا قادری بریلوی کتب خانہ سمنانی میرٹھ، ۱۳۸۰ھ

(۴۳) جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان (۱۳۳۱ھ) امام احمد رضا بریلوی انجمن طلبہ فیض الرسول براؤں شریف ۱۳۹۸ھ

(۴۴) مسلم الثبوت۔ علامہ محب اللہ بن عبد الشکور بہاری ۱۱۱۹ھ مطبع مجیدی کانپور۔

(۴۵) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت۔ بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی ۱۲۲۵ھ نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۵ھ

(۴۶) نور الانوار فی شرح المنار شیخ احمد معروف بہ ملا جیون علیہ الرحمہ ۱۰۴۸/۱۱۳۰ھ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۲ھ

(۴۷) تحفہ اثنا عشریہ (فارسی) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۱۱۵۹ھ/۱۲۳۹ھ مطبع حسنی دہلی ۱۲۷۱ھ

(۴۸) مختصر تحفہ اثنا عشریہ (عربی ترجمہ) غلام محمد بن محی الدین اسلمی مکتبۃ ایشیق۔ استنبول ترکی ۱۳۹۶ھ

(۴۹) شرح کافیہ۔ شیخ رضی، محمد بن حسن استر آبادی۔ مطبع نولکشور لکھنؤ۔

(۵۰) دائرۃ معارف القرن العشرین۔ محمد فرید وجدی۔ دار المعرفۃ بیروت، لبنان۔ طبع سوم ۱۹۷۱ء

(۵۱) شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور۔ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی ۹۱۱ھ مطبوعہ مصر۔

حدیثیں کیسے جمع ہوئیں؟

مصنف

حضرت علامہ محمد حنیف رضا خاں بریلوی

ناشر مکتبہ اعلیٰ حضرت ۔ لاہور ۔ پاکستان

تحفۃ المبلغین

مبلغین ومقررین کی دینی خدمت
میں معاون چند کتب کا بہترین مجموعہ

مؤلف

علامہ محمد اکمل قادری عطاری

مکتبہ اعلیٰ حضرت
لاہور، پاکستان